دریابادی اور اصلاحی کی تفسیری خدمات ـــ موازنہ

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی☆

Abstract:

"Tafseer & Exegesis (The science of Quranic interpretations) is the pride of Islamic history of science and literature. The Muslim scholars of Quran have contributed a lot in this field which is note able & apprecable in this regard, the two prominent names of sub-continent, Mulana Abdul Majid Daryabadi and Amin Ahsan Islahi have played an important role through their Tafseeri contributions. This article is based on conceptual study of the both."

Key Words: Tafseer, Exegesis, The Quranic Sciences, Abdul Majid Daryabadi, Amin Ahsan Islahi.

مولانا حمید الدین فراہی کے قرآنی علوم وفنون پر تبحرِ علمی کا اعتراف کھلے لفظوں میں علمی حلقوں کی جانب سے کیا گیا، عرب وعجم دونوں نے آپ کی قرآنی خدمات کو سراہا، اعظم گڑھ، علی گڑھ، کراچی، الہ آباد اور حیدرآباد کے بے شمار تشنگانِ علم نے آپ سے استفادہ کیا۔ انہی مستفید ہونے والوں میں دونمایاں نام مولانا عبدالماجد دریابادی (۱۹۷۷ء-۱۸۹۲ء) اور مولانا امین احسن اصلاحی (۱۹۹۷ء-۱۹۰۳ء) کے ہیں۔(۱) دونوں شخصیتوں نے مختلف مقامات پر اپنے استفادے اور علامہ کی قرآنیات پر دست گاہ کا ذکر کیا ہے۔ مولانا دریابادی فرماتے ہیں:

> ''علامہ قرآن مجید کے عاشق تھے، کلام اور متکلم دونوں کے عاشقِ صادق تھے اور بے علمی کے ساتھ نہیں علم وبصیرت کے بلند ترین کمالات کے ساتھ، دن کے طویل گھنٹے اور رات کی خاموشیاں قرآن ہی کی خدمت میں بسر کرتے تھے۔ یہ ذوق ہمیشہ سے تھا لیکن عمر کے آخری ۱۰-۱۲ سال تو تمام تر اس مشغلے کی نذر کر دیے تھے۔
>
> ذکر جمالش فکر وصالش - دیگر ہیچ نہ کارے دارم
>
> ادبیاتِ عربی، خصوصاً ادبیات جاہلیت کا مطالعہ کرتے کرتے وہی زبان طبیعت میں رچ گئی تھی، جو کچھ لکھتے تھے عربی میں لکھتے تھے اور غالباً سوچتے بھی عربی میں تھے۔ نیت تھی کہ کلام پاک کی مکمل

☆پروفیسر، شعبۂ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

تفسیر لکھ ڈالیں، اس رخ پر کہ ہر سورہ کا ربط دوسری سورہ سے واضح اور روشن ہو جائے۔ اللہ کے ارادے نے بندے کے ارادے کو پورا نہ ہونے دیا۔‘‘(۲)

مزید مولانا فراہی کے متعلق اپنے تأثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

’’مولانا حمید الدین فراہی تھے علم وفکر کے دریا، تقویٰ اور حسن عمل کے پیکر، عربی ادب کے فاضل، تبحر اور قرآنیات کے نکتہ شناس، اوقات نماز کی پابندی کا اس شدت سے اہتمام میں نے اپنی زندگی میں دو ہی شخصیتوں میں پایا، ایک یہی مولانا فراہی اور دوسرے میرا کبرالہ آبادی۔ دیکھنے میں جج عدالت اور شاعر اور حقیقتاً ایک عارف، میرے بچپن اور الحاد کے شباب میں بڑی حکمت و لطافت کے ساتھ ہی چپکے چپکے تبلیغ اسلام اور روحانیت کی کرتے رہے۔‘‘(۳)

اسی طرح مولانا دریابادی نے علامہ فراہی کو لغت قرآنی کا امام(۴) قرار دیا، نیز انگریزی ترجمہ قرآن کے وقت بھی انہیں مولانا فراہی یاد آئے جن سے بہت سی مشکلات میں مدد لی جا سکتی تھی۔(۵)

مولانا اپنی تفسیر کا مقدمہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’گو ان سطور کے راقم کو مولانا حمید الدین فراہی، صاحب ’’نظام القرآن‘‘ اور حضرت مولانا تھانوی صاحب ’’بیان القرآن‘‘ کی سرسری صحبتیں کچھ عرصے تک ضرور نصیب رہی ہیں۔‘‘(۶) اسی طرح اپنی تفسیر کی ترتیب میں جن تفاسیر اور لغات القرآن سے استفادے کا ذکر کیا ان میں مولانا کی تفسیر نظام القرآن اور ’’مفردات القرآن‘‘ بھی شامل ہیں۔‘‘(۷)

مولانا دریابادی کی طرح مولانا امین احسن نے بھی اپنی تصانیف اور تفسیر میں جا بجا مولانا فراہی سے استفادے کا ذکر کیا ہے اور اپنی تفسیر کو فکر فراہی کا نتیجہ قرار دیا۔ مولانا اصلاحی تلامذۂ فراہی میں سرخیل کے مانند ہیں اور سبقاً سبقاً مولانا سے پورا قرآن کریم پڑھا۔ مولانا اصلاحی نے اپنے استاذ گرامی سے تمام تر استفادے کے باوجود مختلف تفسیری مسائل میں ان سے اختلاف کیا ہے، سورتوں کے گروپ کے متعلق مولانا فراہی کا خیال ہے کہ سات گروپ ہیں، مولانا اصلاحی نے اختلاف کرتے ہوئے سورتوں کے آٹھ گروپ بتائے ہیں۔ مولانا اصلاحی اپنی تفسیر کے متعلق فرماتے ہیں:

’’اس کتاب میں جو کچھ بھی ہے سب استاذ مرحوم ہی کا افادہ ہے۔ اس لیے کہ اصل حقیقت یہی ہے، لیکن میں یہ دعویٰ کرنے سے صرف اس لیے اجتناب کرتا ہوں کہ مبادا میری کوئی غلطی ان کی طرف منسوب ہو جائے۔‘‘(۸)

مذکورہ سطور سے یہ پہلو پوری طرح واضح ہے کہ مولانا دریابادی اور مولانا اصلاحی نے علامہ فراہی کے قرآنی افکار سے استفادہ کیا ہے، البتہ مولانا دریابادی کا استفادہ مولانا اصلاحی کے مقابلے میں بہت کم ہے، کیوں کہ مولانا اصلاحی کو مولانا فراہی نے پورا قرآن کریم سبقاً سبقاً پڑھایا ہے اور مولانا اصلاحی کے مختلف اعتراضات کے تشفی بخش جوابات بھی دیے۔ انھوں نے اپنی تفسیر ’’تدبر قرآن‘‘ کو فکر فراہی کا مظہر قرار دیا ہے۔ علمی حلقے نے بھی تدبر قرآن کو فکر فراہی کی اساس قرار دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ جا بجا تدبر قرآن

میں فکر فراہی کی آواز بازگشت سنائی دیتی ہے، جب کہ تفسیر ماجدی میں ایسا نہیں ہے، سچ پوچھئے تو یہ تفسیر ماجدی مختلف قدیم وجدید تفاسیر کا مجموعہ ہے۔ کسی نحوی اشکال، ادبی نکات، تفسیر آیات، فقہی مباحث اور غرائب القرآن کے سلسلے میں مختلف تفاسیر اور کتابوں سے آراء نقل کی گئی ہیں، خود اپنا نقطۂ نظر اور راجح قول کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا ہے، بار بار مولانا تھانوی کے خیالات نقل کیے گئے ہیں، جس سے قاری کو گرانی محسوس ہونے لگتی ہے۔ مولانا دریابادی نے تفسیر بیان القرآن سے اپنے استفادے کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

''آپ کی بیان القرآن کی پوری قدر رفتہ ہی رفتہ جا کر ہوئی ہے، جب شروع شروع اسے کئی سال ہوئے میں نے دیکھا تھا تو ایک اوسط درجہ کی کتاب نظر آئی تھی، پھر جب میں نے لوگوں کو ترجمۂ قرآن اس کی مدد سے پڑھانا شروع کیا تو اس کی قدر بڑھی اور پوری قدر تو اب جا کر ہوئی ہے، معلوم ہوتا کہ مفسر نے ایک ایک لفظ تول کر کے لکھا ہے، لیکن بایں ہمہ چند مقامات میں جناب کا اتباع نہیں کر سکا ہوں۔''(۹)

اسی طرح تفسیر آیات کے سلسلے میں صوفیہ کے بہت سے اقوال بھی پیش کیے گئے ہیں، جن میں سے اکثر بے تکے اور بے جوڑ ہیں۔ بعض مقامات اور کلمات کے سلسلے میں آپ کی تحقیقات قابل ستائش ہیں۔ تفسیر آیات کے سلسلے میں توریت، زبور اور انجیل سے خصوصی استفادہ کیا گیا ہے۔ اسی طرح مغربی لٹریچر سے استفادہ اس تفسیر کی خاص پہچان ہے۔ مستشرقین کی کوتاہیوں اور لغزشوں پر گرفت بھی کی گئی ہے، اردو کی دیگر تفاسیر میں یہ پہلو مفقود ہے، اسی طرح مغرب کی بے اعتدالیوں کا مغربی لٹریچر ہی سے رو پیش کیا گیا ہے۔ مولانا کا یہ امتیازی رنگ دیگر مفسرین کے یہاں ناپید ہے۔ یہی اس تفسیر کا ایک ایسا گوشہ ہے جس کی وجہ سے اس کی ایک نمایاں حیثیت بن جاتی ہے، تفسیر آیات کے ساتھ ساتھ تفسیر ماجدی میں تاریخ اقوام، جغرافیہ قرآن اور حیوانات قرآن کے مختلف مباحث کو موضوع بحث بنایا گیا ہے اور علوم قرآن پر قابلِ قدر انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

یہ تھیں تفسیر ماجدی کی خصوصیات۔ اب ایک سرسری جائزہ مولانا امین احسن اصلاحی کی تفسیر ''تدبر قرآن'' کا پیش کیا جائے گا۔ اس تفسیر کی سب سے بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ سورتوں اور آیات کے مابین موجودہ ربط ومناسبت کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن کریم کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔ تفسیر ماجدی میں یہ دعویٰ ضرور کیا گیا کہ ''قرآن مجید معنوی اعتبار سے بھی ایک انتہائی مرتب ومنظّم کتاب ہے۔''۱۰ لیکن اس نظریۂ نظم قرآن کو تفسیر ماجدی میں برتا نہیں گیا۔ دنیا کی تمام تفاسیر میں یہ امتیاز صرف تدبر قرآن کو حاصل ہے جس میں پورے قرآن کریم کی تفسیر نظریۂ نظم قرآن کی روشنی میں کی گئی ہے۔ اس تفسیر کی ایک دوسری خصوصیت یہ ہے کہ آیات کے مفاہیم ومعانی کے تعین میں جاہلی لٹریچر اور کلام عرب سے مدد لی گئی ہے۔ تفسیرِ ماجدی میں دیگر تفاسیر کے توسط سے یہ ضرور بتایا گیا کہ کلام عرب میں اس کا یہ مفہوم لیا گیا ہے، لیکن

بطور استدلال کلام عرب کو پیش نہیں کیا گیا۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ ''تفسیر قرآن بالقرآن'' کی واضح تصویر اس تفسیر میں موجود ہے، تفسیر ماجدی میں اس نقطۂ نظر پر بہت کم توجہ مبذول کی گئی ہے۔ صاحب تدبر قرآن نے تفسیر آیات کے باب میں سنت متواترہ کو پورا درجہ عطا کیا ہے، البتہ احادیث اور آثار صحابہؓ کے باب میں غور وخوض کا راستہ اختیار کیا گیا ہے اور ان کی صحت کے سلسلے میں اسناد اور متن احادیث کی تحقیق و تفتیش کی گئی ہے۔ مولانا اصلاحی نے پورے ذخیرۂ حدیث سے استفادہ کیا ہے اور تفسیر آیات کے باب میں ان سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے، لیکن جو احادیث آیات سے متصادم نظر آتی ہیں ان کے سلسلے میں مولانا نے توقف سے کام لیا ہے۔ تفسیر ماجدی میں احادیث ضرور نقل کی گئی ہیں لیکن درایت و روایت سے قطع نظر صرف ان احادیث پر اکتفا کیا گیا ہے جو تفاسیر میں موجود ہیں۔

تدبر قرآن میں شان نزول پر زیادہ توجہ صرف نہیں کی گئی ہے کیوں کہ ایک ہی آیت کی شان نزول کے سلسلے میں متعدد وجوہات بیان کی گئی ہیں۔ اسی لیے مولانا نے شان نزول سے زیادہ سورت کے مرکزی مضمون پر توجہ دینے پر زور دیا ہے، کیونکہ یہ ایک ایسا نکتہ ہے جس سے تفسیر آیات کی تمام مشکلات سے دور ہوتی ہو جاتی ہیں۔ شان نزول کے مسئلے پر مولانا نے اپنے استاذ گرامی کے اس فکر پر عمل کیا ہے:

> ''شان نزول خود قرآن کے اندر سے اخذ کرنی چاہیے اور احادیث و آثار کے ذخیرے میں سے صرف وہ چیزیں لینی چاہئیں جو نظم قرآن کی موافقت کریں نہ کہ اس کے سارے نظم کو درہم برہم کر کے رکھ دیں۔''(۱۱)

مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنی تفسیر میں کتب تفسیر سے بہت کم استفادہ کیا ہے، کیوں کہ تدبر قرآن میں آیات کے الفاظ، ان کے سیاق و سباق نظم قرآن اور قرآن کریم میں دیگر نظائر و شواہد کی روشنی میں تفسیر کی جاتی ہے۔ جبکہ تفسیر ماجدی میں یہ طریقۂ کار نہیں اپنایا گیا ہے۔

قدیم آسمانی صحیفوں سے تفسیر ماجدی اور تفسیر تدبر قرآن دونوں میں استفادہ کیا گیا ہے، بلکہ تفسیر ماجدی میں یہ چیز زیادہ نمایاں ہے اور جا بجا توریت، زبور اور انجیل کے حوالے نظر آتے ہیں۔ مولانا اصلاحی نے مذکورہ آسمانی کتب کے باب میں بڑے پتے کی بات کہی ہے ''اگر آدمی ان کو پڑھے تو یہ حقیقت آسمان کی طرح سامنے آتی ہے کہ ان صحیفوں کا سرچشمہ بھی بلا شبہ وہی ہے جو قرآن کا ہے، میں ان کو بار بار پڑھنے کے بعد اس رائے کا اظہار کرتا ہوں کہ قرآن کی حکمت کو سمجھنے میں جو مدد ان صحیفوں سے ملتی وہ مدد مشکل ہی سے کسی دوسری چیز سے ملتی ہے، خاص طور پر زبور، امثال اور انجیلوں کو پڑھیے تو ان کے اندر ایمان کو وہ غذا ملتی ہے جو قرآن و حدیث کے سوا اور کہیں بھی نہیں ملتی، حیرت ہوتی ہے کہ جن قوموں کے پاس یہ صحیفے موجود تھے وہ قرآن اور پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے کیوں محروم رہے۔''(۱۲)

مولانا اصلاحی نے تاریخ عرب کے باب میں زیادہ تر انحصار خود قرآن کریم پر کیا ہے۔ پچھلی اقوام، عاد، ثمود، مدین اور قوم لوط کا قرآن کریم میں ذکر ہے اور ان کے معتقدات کو بھی موضوع بحث بنایا

گیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی عرب میں ان کی قربانی، ان کی دعوت اوران کے ہاتھوں تعمیر بیت اللہ کا ذکر قرآنِ کریم میں موجود ہے۔ اسی طرح قریش نے جس طرح دین ابراہیم کو مسخ کیا اور بیت اللہ کو بت خانے میں تبدیل کر دیا، یہ سارے امور بھی قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ مولانا نے قرآن کریم کی انہی فراہم کردہ معلومات پر اکتفا کیا ہے کیوں کہ اس دور کی کوئی مستند تاریخ موجود نہیں ہے، البتہ کلام عرب میں دست یاب اشارات سے مولانا نے فائدہ اٹھایا ہے لیکن مولانا کے نزدیک وہ تاریخی روایات قابلِ قبول ہیں جن کی تائید و توثیق قرآن کریم سے ہو رہی ہو۔(۱۳) تفسیر ماجدی میں جدید تاریخی لٹریچر سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ چوں کہ مولانا دریابادی اسلامیات سے متعلقہ انگریزی لٹریچر اور مستشرقین کے کاموں سے بخوبی واقف تھے، قرآن کریم کے موضوعات میں ایک اہم موضوع یہود و نصاریٰ ہیں۔ ان کے تفاخر، ذہنیت اور دینی برتری کے احساسات کا کتاب الٰہی میں تفصیل سے ذکر ہے۔ مولانا دریابادی کی ان موضوعات پر گہری نظر تھی، یہی وجہ ہے کہ ان موضوعات پر تفسیر ماجدی میں جس شرح و بسط کا ثبوت دیا گیا ہے وہ دیگر تفاسیر میں مفقود ہیں۔ اور مولانا اصلاحی کا مطالعہ اس بات میں کافی محدود تھا۔

مفردات القرآن پر مولانا اصلاحی نے بڑی معرکہ آراء بحثیں کی ہیں، کلام عرب اور لغات کی روشنی میں معانی کے تعین میں حد درجہ کاوشیں کی ہیں، اس سلسلے میں مفسرین کی آراء پر قطعاً اعتماد نہیں کیا ہے بلکہ اپنی تحقیقات کی روشنی میں مفسرین کی آراء سے اختلاف بھی کیا۔ تفسیر ماجدی اس طرح کی تحقیقات سے خالی نظر آتی ہے۔ مفردات وغرائب کے باب میں مفسرین اور اہل لغت کی آراء پر انحصار کیا گیا ہے، مولانا دریابادی مختلف اقوال کو نقل کرنے کے بعد اپنی رائے پیش نہیں کرتے۔

تراجم آیات

تفسیر ماجدی کے تراجم میں تمام تر لفظی رعایتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے غیر معمولی سلاست اور روانی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو ایک قابلِ قدر سعی ہے، مثلاً تفسیر ماجدی میں سورہ الم نشرح کی پہلی آیت کا ترجمہ یوں ہے:(۱۴)

''أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ'' کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا ہے۔

تدبر قرآن میں اس کا ترجمہ یوں ہے:(۱۵)

کیا ہم نے تمہارا سینہ کھول نہیں دیا۔

صاحب تدبر نے اپنے ترجمے میں ''لك'' کی رعایت ملحوظ نہیں رکھی، جب کہ تفسیر ماجدی میں ''لك'' کی رعایت پیش نظر رکھتے ہوئے روانی پیدا کرنے کی ایک کامیاب کوشش ہے۔

دوسری اور تیسری آیت کا ترجمہ اس طرح ہے:

''وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ الَّذِیٓ أَنقَضَ ظَهْرَكَ'' اور ہم نے آپ پر سے وہ آپ کا بوجھ

اتار دیا جس نے آپ کی پشت توڑ رکھی تھی۔

تدبر قرآن میں ان دو آیتوں کا ترجمہ اس طرح ہے:

اور جو بوجھ تمہاری کمر توڑے دے رہا تھا، اس کو تمہارے اوپر سے اتار نہیں دیا۔

تفسیر ماجدی میں ''و وضعنا'' کو ''الم نشرح'' سے معطوف نہیں مانا گیا ہے کیوں کہ ''الم'' فعل مضارع پر آتا ہے نہ کہ فعل ماضی پر۔ صاحب تدبر قرآن نے اسے ''الم نشرح'' سے معطوف تسلیم کیا ہے۔ جیسا کہ ترجمے سے واضح ہے لیکن یہ مناسب نہیں ہے۔ چوتھی آیت کا ترجمہ یوں ہے:

''وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ'' اور آپ کی خاطر آپ کا آوازہ بلند کیا۔

صاحب تدبر قرآن نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے:

اور تمہارا آوازہ بلند نہیں کیا۔

یہاں پر دو چیزیں لائق توجہ ہیں، ایک تو یہ کہ ''الم نشرح'' سے عطف ماننا غیر مناسب ہے۔ دوسرے یہ کہ یہاں ''لك'' کی رعایت برقرار نہیں رکھی گئی ہے، جب کہ تفسیر ماجدی میں دونوں نزاکتوں کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

پانچویں اور چھٹی آیت کا ترجمہ تفسیر ماجدی میں یوں ہے:

''فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْراً إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْراً'' سو مشکلات کے ساتھ آسانی ہونے والی ہے۔ بے شک مشکلات کے ساتھ آسانی ہونے والی ہے۔

تدبر قرآن میں اس طرح ہے:

تو ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔

تدبرقرآن کا ترجمہ ہر لحاظ سے مناسب ہے، جب کہ تفسیر ماجدی میں ''العسر'' کے لیے ''مشکلات'' ہے جو مناسب نہیں ہے کیوں کہ ''مشکل'' سے کام چل جاتا ہے، اسی طرح ترجمے میں ''ہونے والی'' مد فاضل کے مانند ہے۔

آخری دو آیتوں کا ترجمہ اس طرح ہے:

''فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ وَإِلَى رَبِّكَ فَارْغَبْ'' تو جب آپ فارغ ہو جایا کیجئے ریاضت کیا کیجئے اور اپنے پروردگار ہی کی طرف توجہ رکھیے

تدبر قرآن میں یوں ترجمہ کیا گیا ہے:

پس جب تم فارغ ہو کر کمر بستہ ہو اور اپنے رب سے لو لگاؤ۔

تفسیر ماجدی میں ''فانصب'' کا ترجمہ ''ریاضت کیا کیجئے'' اس لیے کیا گیا ہے کہ اس کے توسط سے صوفیہ کرام کے مجاہدات اور مخصوص اوراد و اشغال کی گنجائش نکالی جا سکے۔ اصلاً اس ترجمے سے مولانا اشرف علی تھانوی کے فکر کی ترجمانی کی گئی ہے۔ مولانا تھانوی نے ''ریاضت'' کے بجائے ترجمے میں

''محنت'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔[۱۶] دونوں الفاظ سے ایک خاص جہت کی عکاسی ہوتی ہے، صاحب تدبر قرآن نے اس کے لیے ''کمر بستہ'' کا لفظ استعمال کیا ہے جس سے کافی حد تک ''فانصب'' کی ترجمانی ممکن ہے۔ دونوں تفسیروں میں مذکورہ سورہ کے تراجم کو دیکھا جائے تو تفسیر ماجدی کے تراجم کے متعلق یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ لفظوں کی پابندی کے ساتھ روانی پیدا کرنے کی ایک قابلِ قدر جد و جہد ہے۔ بوقت تراجم آیات کریمہ ایسی زبان استعمال کرنے کی بھی سعی کی گئی ہے جس سے صوفیہ کرام کے فکر کی نمایندگی ہو سکے، نیز تفسیر ماجدی کے تراجم میں بیان القرآن کے اثرات پوری طرح نمایاں ہیں۔ جیسا کہ انھوں نے اپنے ایک مکتوب میں تحریر کیا:

''آپ کی بیان القرآن .... چند مقامات میں جناب کا اتباع نہیں کر سکا ہوں۔''[۱۷]

یعنی یہ تفسیر بیان القرآن کی کاپی ہے، اس کے خیالات کے ساتھ ہم آہنگی مولانا کے لیے باعث طاقت اور وجہ خیر ہے، اس کے برعکس تدبر قرآن میں لفظی رعایت کو کم برتا گیا ہے۔ اس کے تراجم میں اردو زبان و ادب کی تمام تر لذت موجود ہے اور دیگر تمام تراجم کے اثرات سے مبرا ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ تراجم آیات کریمہ مولانا اصلاحی کی اپنی ذاتی کاوش ہے اور اس کاوش کو خوبصورت بنانے میں قابل توصیف رول ادا کیا ہے۔

تفسیر آیات

سورہ فاتحہ کی آیت ''**مالك يوم الدين**'' کی تفسیر کس انداز سے تفسیر ماجدی میں اور کس نہج پر تفسیر تدبر قرآن میں کی گئی ہے۔ اسے نقل کرتے ہوئے دونوں تفسیروں کے تفسیری منہاج کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی جائے گی۔ مولانا دریابادی اس سلسلے میں رقم طراز ہیں:[۱۸]

''**مالك يوم الدين**'' حاکم یا قاضی خواہ کیسے ہی وسیع اختیارات رکھتا ہو، بہرحال اس کے اختیار محدود ہی ہوتے ہیں اور مجرم کو حسب ضابطہ سزا دینے پر مجبور ہوتا ہے، گویا خود حاکم پر حکومت ضابطے یا قانون کی ہوتی ہے۔ بخلاف اس کے مالک وہ ہوتا ہے جسے پورے اختیارات حاصل ہوں۔ مجرم کو چاہے بخش دے یا چاہے سزا دے، کوئی اس سے بازپرس کرنے والا اور کوئی اس پر حاکم نہیں۔ حدیث مسلم میں آچکا ہے کہ ''**لا مالك الا الله عز وجل**'' (اللہ کے سوا کوئی بھی مالک نہیں) اور محققین کا قول بھی ایسا ہی ہے کہ بجز اللہ کے اور کسی کو مالک کہنا یا پکارنا جائز نہیں۔

''**لا يجوز أن يسمّٰى أحد بهذا الاسم ولا يدعى به الا الله تعالٰى**'' (قرطبی)

لفظ کا فارسی ترجمہ بھی اسی لیے سفیان تابعی سے ''شہنشاہ'' مروی ہے۔

''**قال سفيان مثل شاهان شاه**'' (قرطبی)

اور مفسرین نے بھی معنی مطلق الاختیار کے لیے ہیں:

المالك هو المتصرف فى الاعيان المملوكة كيف يشاء من الملك (بیضاوی)

ہندوستان کی بعض مشہور ومشرک قوموں کا عقیدہ ہے قانون مکافات عمل (ہندی اصطلاح میں ''کرم'') کے خلاف خدا بھی نہیں جاسکتا اور کسی خطاوار کو معاف نہیں کرسکتا، مسیحیوں کا بھی عقیدہ ہے کہ خدا انصاف کرنے پر مجبور ہے اور اسی لیے صفت عفو ورحم کے اظہار کے لیے اسے اپنے اکلوتے ''بیٹے'' کو بطور کفارے کے سب گنہگار مخلوق کی طرف سے پیش کرنا پڑا۔ قرآن مجید کے ایک لفظ ''مالك'' میں ان سب باطل عقائد کی تردید آ گئی۔ اسے اختیار کامل ہے کہ جس مستحق سزا کو چاہے سزا دے اور جس مجرم کو چاہے بعد سفارش یا بلا سفارش بالکل ہی معاف کردے۔

یوم الدین: دین کے معنی لغت میں متعدد آتے ہیں۔

الدین الجزاء والحساب(مجاز)الدین الحساب،الدین الجزاء (کتاب الاجناس)

اور قیامت کو بھی روز جزا اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ پورے حساب اور ہر عمل کے بدلے کا دن ہوگا۔ یہاں بھی **یوم الدین** سے مراد روز حشر ہے۔

''ای یوم حساب الخلائق وھو یوم القیامة بدینھم بأعمالھم (ابن جریر عن ابن عباس) یوم البعث والجزاء (کبیر) فانه الیوم الذی یدین الله العباد فیه بأعمالھم (ابن القیم) ولھذاقیل لیوم القیامة یوم الدین انھا ھویوم الحساب (کتاب الأجناس)''

آیت ''**مالك یوم الدین**'' تفسیری مباحث کو مولانا اصلاحی نے کس انداز سے پیش کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں:(۱۹)

''دین کا لفظ قرآن مجید میں کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے:

۱- مذہب وشریعت کے معنی کے لیے مثلاً: **أفغیر دین الله یبغون** (آل عمران:۸۳/۳)
(کیا خدا کے اتارے ہوئے مذہب کے سوا وہ کسی اور مذہب کے طالب ہیں)

۲- قانون ملکی کے لیے مثلاً: ''**ماکان لیاخذ اخاہ فی دین الملك**'' (یوسف:۷۶/۱۲)
(اس کو بادشاہ کے قانون کی رو سے یہ حق حاصل نہ تھا کہ وہ اپنے بھائی کو روک سکے)

۳- اطاعت کے معنی کے لیے مثلاً ''**وَلَهٗ مَافِی السَّمٰوٰتِ والارض وله الدین واصبا افغیر الله تتقون**'' (النحل:۵۲/۱۶)
(آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے اسی کا ہے اور اسی کی عبادت لازم ہے، کیا تم پھر اس کے سوا اوروں سے ڈرتے ہو۔)

۴- جزاء کے معنی کے لیے مثلاً ''**انما توعدون لصادق وان الدین لواقع**'' (الذاریات:۶/۵۱)
(جس چیز کی تمہیں دھمکی سنائی جارہی ہے وہ سچ ہے اور جزا وسزا واقع ہوکر رہے گی)

جزا سے مراد اس کے دونوں پہلو ہیں۔ نیک اعمال کا صلہ بھی اور برے کاموں کی سزا بھی۔ اس وجہ سے ہم نے ترجمے میں جزا کے ساتھ سزا بھی بڑھا دیا ہے۔

جزاوسزا کے دن کا تنہا مالک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس روز سارازور اور سارا اختیار اس کو حاصل ہوگا۔ اس کے آگے سب عاجز وسرافگندہ ہوں گے، کسی کو مجال نہ ہوگی کہ اس کی اجازت کے بغیر زبان کھول سکے، سارے معاملات کا فیصلہ تنہا وہی کرے گا، (**لمن الملك اليوم لله الواحد القهار**) (غافر:۴۰/۱۶)

(آج کے دن بادشاہی کس کی ہے، صرف خدائے واحد وقہار کی)''

دونوں تفسیروں کے اقتباسات پر غور کیا جائے تو درج ذیل نتائج سامنے آئیں گے:

تفسیر ماجدی اور تفسیر تدبر قرآن میں بنیادی فرق یہ ہے کہ تفسیر ماجدی میں آیات کی تفسیر کتب کی روشنی میں کی جاتی ہے اور تدبر قرآن میں تفسیر قرآن بالقرآن کے نہج پر عمل کیا جاتا ہے اور معانی مفردات کے تعین میں آیات کا سہارا لیا جاتا ہے، کیوں کہ قرآن کریم میں موقع ومحل کی مناسبت سے ایک ہی مسئلے میں کہیں ایجاز تو کہیں اطناب ہے، اسی کو قرآنی اصطلاح میں ''تصریف آیات'' کہا گیا ہے۔ ڈاکٹر غازی صاحب نے اپنے ''محاضرات قرآنی'' میں اس موضوع پر مدلل اسلوب بیان اختیار کیا ہے اور تدبر قرآن کا ذکر کرتے ہوئے اس مسئلے کو مزید آگے بڑھایا ہے۔[۲۰] یہی وجہ ہے کہ مولانا اصلاحی نے ''دین'' کے مختلف معانی کے تعین میں قرآن کریم کی مختلف آیات کا سہارا تلاش کیا۔ مولانا اصلاحی نے دین کے چار معانی قرآن کریم کی آیات سے دریافت کیے ہیں۔ اسی طرح ''مالک'' کا مفہوم بھی قرآن کریم کی روشنی میں طے کیا۔

اس کے برعکس تفسیر ماجدی میں تحدید مطالب کے باب میں تمام تر مدد تفاسیر اور مختلف کتب سے لی گئی ہے۔ مثلاً ''مالک'' کی وضاحت کے لیے قرآن کریم کے بجائے تفسیر احکام القرآن (قرطبی)، انوار التنزیل (بیضاوی)، تفسیر مجاز القرآن (ابوعبیدہ معمر) اور کتاب الاجناس (ابوعبیدہ القاسم بن سلام البغدادی)، التفسیر القیم (ابن القیم) تفسیر کبیر (رازی) کی تائید وتوثیق حاصل کی گئی ہے۔ تفسیر آیات کا یہی انداز پوری تفسیر ماجدی میں اپنایا گیا ہے اور مختلف جدید اور قدیم تفاسیر آیات کے حوالوں سے اپنی بات پیش کی گئی ہے۔ مولانا دریابادی نے جن تفاسیر کو مآخذ ومصادر کے طور پر استعمال کیا، ان کی ایک فہرست تفسیر ماجدی کے مقدمے میں نقل کردی گئی ہے۔ یہاں وضاحت ضروری ہے کہ پروفیسر الطاف احمد اعظمی نے اپنی تفسیر ''میزان القرآن'' میں ''مالک یوم الدین'' کا ترجمہ ''فیصلے کے دن کا مالک'' کیا ہے اور اس کی تفسیر میں مالک یوم الدین پر فکر انگیز گفتگو کی ہے اور تحریر کیا کہ یوم الدین کے لیے قرآن کریم میں یوم الفصل اور یوم الحساب دونوں آئے ہیں اور یوم الدین میں حساب، فیصلہ اور جزاء تینوں کا مفہوم پایا جاتا ہے، اسی لیے صاحب میزان القرآن کا ترجمہ دیگر تراجم مفسرین کی روشنی میں انسب ہے۔[۲۱]

کلام عرب

تفسیر ماجدی اور تفسیر تدبر قرآن میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ مفردات قرآن کی توضیح کے سلسلے میں یہ بات تفسیر ماجدی میں بار بار مختلف مفسرین کے حوالے سے کہی گئی ہے کہ یہی مفہوم کلام عرب

میں بھی ہے۔مثلاً لفظ ''رزق'' پر گفتگو کرتے ہوئے تفسیر کبیر کے حوالے سے بتایا کہ رزق میں تمام نعمتیں شامل ہیں، یہ ایک وسیع مفہوم کا حامل ہے۔(۲۲) اسی طرح لفظ ''قرء'' کے معنی ایک زمانہ معلوم یا مدت متعین کے ہیں لیکن اس میعاد کا آغاز اور اختتام دونوں ہوسکتے ہیں۔(۲۳) ابن قتیبہ اور ابن عربی کے حوالے سے مزید بتایا کہ ''اصل القرء فی کلام العرب الوقت'' لیکن اس دعوے کی دلیل پیش نہیں کی گئی، جب کہ کلام عرب کا متن استدلال کے لیے پیش کیا جانا ضروری تھا۔ یہاں پر دو سوال پیدا ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ کلام عرب کی اہمیت کا ذکر کرنے کے بعد بھی اشعار کا نقل نہ کرنا باعث استعجاب ہے۔اسی طرح دوسرا سوال یہ ہے کہ کلام عرب کی منزلت کا ذکر کسی تفسیر کے تناظر میں کرنے سے بہتر یہ ہے کہ براہ راست کلام عرب کا مطالعہ کیا جائے۔ایک مفسر کے لیے کلام عرب اور خطبات عرب سے واقفیت کو مولانا نے لازم قرار دیا ہے۔(۲۴) لیکن آپ کی تفسیر میں کلام عرب سے استدلال کا کلی طور پر فقدان ہے۔

تدبر قرآن میں کلام عرب سے استفادے پر خاصا زور دیا گیا ہے۔مولانا امین احسن اصلاحی کو یہ ذوق اپنے استاذ گرامی مولانا حمید الدین فراہی سے ورثے میں ملا تھا۔مولانا فراہی کی تفسیر ''نظام القرآن''، ''اسالیب القرآن''، ''التکمیل فی اصول التأویل ''اور'' مفردات القرآن'' میں اس کی بین مثالیں کثرت سے موجود ہیں۔مولانا امین احسن اصلاحی نے بھی اپنی تفسیر میں کلام عرب سے استدلال پر کافی زور دیا ہے اور اسے تفسیر کی ایک اساسی ضرورت قرار دیا ہے۔(۲۵) مولانا اصلاحی کا خیال ہے کہ ''اس وجہ سے جو شخص قرآن کی زبان کے ایجاز واعجاز کا اندازہ کرنا چاہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ دورِ جاہلیت کے ادباء وشعراء کے کلام کے محاسن ومعایب کے سمجھنے کا ذوق پیدا کرے، اس کے بغیر کوئی شخص نہ تو یہ اندازہ کرسکتا ہے کہ قرآن عربی زبان کے محاسن کا کیسا کامل نمونہ ہے اور نہ یہ سمجھ سکتا ہے کہ اس کے اندر وہ کیا سحر ہے جس نے تمام فصحاء وبلغاء کو ہمیشہ کے لیے عاجز اور درماندہ کردیا ہے۔''(۲۶)

مولانا اصلاحی کی تفسیر تدبر قرآن میں صبر کا مفہوم بتاتے ہوئے کلام عرب سے استشہاد کیا گیا ہے۔صبر کا اصل مفہوم دفاع کرنا ہے، خود کو مایوسیوں سے بچا کر اپنے موقف پر قائم رہنے کو صبر کہتے ہیں۔ اس کا قرآنی مفہوم یہ ہے کہ تمام مشکلات وموانع کے باوجود اللہ کے عہد پر طمانیت قلب کے ساتھ قائم رہا جائے۔صبر کا مفہوم عموماً عجز ومسکنت سمجھا جاتا ہے جو لغت عرب اور استعمالات قرآن کی رو سے درست نہیں ہے جیسا کہ کلام عرب میں موجود ہے۔(۲۷)

وغمرة موت ليس فيها هوادة

يكون صدور الشرفی جسورها

(موت وہلاکت کے بےشمار راستوں میں سے کسی نرمی کا پتہ نہیں بلکہ ان کے پلوں پر تلواریں سینہ سپر ہیں)

صبر ناله فی نهكها و مصابها

باسيافنا حتى يبوخ سعيرها(۲۸)

(ہم نے ان کے تمام آفات و شدائد کے مقابلے میں اپنی تلواروں کے ساتھ ثابت قدمی دکھلائی یہاں تک کہ وہ ٹھنڈے پڑ گئے)

تفسیر ماجدی اور تفسیر تدبر قرآن دونوں میں احادیث سے استدلال کیا گیا ہے۔ تفسیر ماجدی میں کتب تفسیر کے توسط سے جگہ جگہ احادیث مل جائیں گی، جس سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ یہ احادیث خود تلاش بسیار کے بعد نقل نہیں کی گئی ہیں، بلکہ مفسرین پر اعتماد کیا گیا ہے۔ لفظ ''وسط'' کے مفہوم پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا دریابادی نے فرمایا کہ ''معنوی'' اعتبار سے لفظ کہنا چاہیے کہ تمام خصال محمودہ کا جامع ہے۔ یعنی ایسی امت جو ساری روحانی و اخلاقی قدروں کی حامل ہو''(۲۹) حدیث شریف میں وسط کی تعریف ''عدل'' سے آئی ہے اور یہ حدیث براہِ راست نقل کرنے کے بجائے ابنِ کثیر اور تفسیر کبیر سے نقل کی گئی ہے۔ تدبر قرآن میں احادیث کم ملیں گی۔ حدیث کو نقل کرنے سے قبل مولانا حدیث کو درایت و روایت کے اصولوں پر پرکھتے ہیں اور حدیث صحیح کو تفسیر آیات کے لیے پیش کرتے ہیں اور جو احادیث آیاتِ کریمہ سے معارض ہیں ان پر تدبر قرآن میں کلام بھی کیا گیا ہے۔ مولانا اصلاحی نے اپنا نقطۂ نظر یوں واضح کیا ''تفسیر کے ظنی ماخذوں میں سب سے اشرف اور سب سے زیادہ پاکیزہ چیز ذخیرۂ احادیث و آثار ہے، اگر ان کی صحت کی طرف سے پورا پورا اطمینان ہوتا تو تفسیر میں ان کی وہی اہمیت ہوتی جو اہمیت سنت متواترہ کی بیان ہوئی لیکن ان کی صحت پر اس طرح کا اطمینان چوں کہ نہیں کیا جاسکتا، اس وجہ سے ان سے اسی حد تک فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے جس حد تک یہ ان قطعی اصولوں سے موافق ہوں جو اوپر بیان ہوئے ہیں۔ جو احادیث و آثار کو اس قدر اہمیت دیتے ہیں کہ ان کو قرآن پر حاکم بنا دیتے ہیں وہ نہ تو قرآن کا درجہ پہچانتے ہیں اور نہ حدیث کا۔''(۳۰)

یہاں یہ اشارہ باعث افادیت ہوگا کہ معروف اسلامی اسکالر خالد مسعود نے مولانا امین احسن اصلاحی کے نظریہ حدیث کو اپنے مقالہ ''مولانا اصلاحی کی خدمتِ حدیث''۳۱ میں شرح و بسط کے ساتھ پیش کیا ہے۔

آسمانی صحیفے

تفسیر ماجدی اور تفسیر تدبر قرآن میں توریت، زبور اور انجیل سے تفسیر آیات اور توضیح مفاہیم کے لیے استفادہ کیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں ان کتب آسمانی کا نہ صرف ذکر ہے بلکہ قرآن کریم نے اس کی تصدیق بھی کی ہے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کے پڑھنے سے روکا نہیں تھا۔

تفسیر ماجدی میں تینوں صحیفوں کے جا بجا حوالے ملتے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا کی ان صحیفوں کے مضامین پر اچھی دست رس تھی۔ اس حیثیت سے تفسیر ماجدی کو اردو تفاسیر میں امتیاز حاصل ہے، کیوں کہ اس کی وجہ سے بہت سی تفسیری گتھیاں سلجھ جاتی ہیں۔ تفسیر ماجدی میں کثرت سے ڈکشنری آف دی بائبل کا ذکر بھی ملتا ہے جو اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

سورہ بقرہ کی آیت ۲۴ میں ''النار'' کا لفظ آیا ہے۔ مولانا دریابادی اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ دنیا کی نہیں دوزخ کی آگ ہوگی۔ وہ دنیا کی آگ سے کہیں زیادہ تیز اور جلانے والی ہے، یہاں تک کہ بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ وہ اس سے ستر حصے زیادہ تیز ہوگی۔ آخرت کے عذاب آتشیں کا ذکر توریت میں بھی ہے (ملاحظہ ہوں یسعیاہ ۳۳:۱۴، نیز ۶۶/۲۴)

انجیل کی تعلیم تمام تر رافت وحلم وعفو ودرگزر کی سمجھی جاتی ہے لیکن جہنم کی آگ کا ذکر حضرت مسیحؑ کے ٹھنڈے مواعظ میں بھی موجود ہے۔ (ملاحظہ ہو متی: ۱۸:۸، ۹)

فرعون کی غرق آبی کا جو ذکر سورہ بقرہ میں ہے، اس کی مزید تصریحات مولانا دریابادی نے توریت سے فراہم کی ہیں۔ دریائے نیل کے دو حصوں میں تقسیم ہو جانے کا ذکر قرآن کریم میں اس طرح ہے:

''**واذ فرقنا بکم البحر**'' (البقرہ: ۲/۵۰) (اور جب ہم نے سمندر کو پھاڑ دیا تھا)

اس مسئلے کا ذکر توریت میں اس طرح ہے:

پھر موسیٰ نے دوبار ہاتھ بڑھایا اور خداوند نے بہ سبب بڑی پوربی آندھی کے تمام رات میں دریا کو چلایا اور دریا کو سکھا دیا اور پانی کو دو حصہ کر دیا اور بنی اسرائیل دریا کے بیچ میں سے سوکھی زمین پر ہو کر گزر گئے اور پانی کی ان کی داہنے اور بائیں دیوار تھی۔ (خروج: ۱۴:۲۱، ۲۲)

مولانا دریابادی نے اس مسئلے سے متعلق اور بھی اقتباسات توریت سے نقل کیے ہیں۔[۳۲] مختصر یہ ہے کہ تفسیر ماجدی میں توریت، زبور اور انجیل کے اقتباسات کی مدد سے قرآنی مفاہیم ومطالب تک رسائی حاصل کرنے میں کافی سہولت ہے۔

تدبر قرآن میں آسمانی صحیفوں کے حوالے تو ملتے ہیں اور تفسیر قرآن کے لیے انھیں ایک اہم ماخذ قرار دیا گیا ہے، چوں کہ قرآن کریم کی طرح یہ بھی اللہ کی کتاب ہیں اور تمام تر تحریفات کے باوجود بھی ان میں آج بھی ایسی ہدایات اور حکمتیں ہیں جو قرآنی حکمتوں کو واشگاف کرنے میں مؤثر رول ادا کرتی ہیں۔ قرآن کریم اور احادیث کے بعد مولانا اصلاحی نے انہیں تفہیم قرآن کا ایک اہم سرچشمہ قرار دیا ہے۔ تدبر قرآن میں آسمانی صحیفوں سے اس حد تک استفادہ نہیں ہے جس حد تک تفسیر ماجدی میں موجود ہے۔

قرآن کریم میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور پر چلے جانے کے بعد ان کی قوم گوسالہ پرستی میں مصروف ہو گئی، جسے موسیٰ علیہ السلام نے خود کو ظلم وتشدد کے سپرد کرنے سے تعبیر کیا ہے۔ اس کی تفصیل مولانا اصلاحی نے توریت سے اپنی تقریر میں نقل کی ہے:

''اور جب موسیٰؑ نے پہاڑ سے اترنے میں دیر لگائی تو وہ ہارون کے پاس جمع ہو کر اس سے کہنے لگے کہ اٹھ ہمارے دیوتا بنا دے جو ہمارے آگے چلے کیوں کہ ہم نہیں جانتے کہ اس مرد موسیٰ کو جو ہم کو

مصر سے نکال کر لایا، کیا ہو گیا؟ تب خداوند نے موسیٰ کو کہا نیچے جاؤ کیوں کہ تیرے لوگ جن کو تو ملک مصر سے نکال لایا بگڑ گئے ہیں، وہ اس راہ سے جس کا میں نے حکم دیا تھا بہت جلد پھر گئے ہیں۔ انھوں نے اپنے لیے ڈھالا ہوا بچھڑا بنایا اور اسے پوجا، اور اس کے لیے قربانی چڑھا کر یہ بھی کہا کہ اے اسرائیل یہ تیرا وہ دیوتا ہے جو تجھ کو ملک مصر سے نکال کر لایا اور خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ میں اس قوم کو دیکھتا ہوں کہ یہ گردن کش قوم ہے، اس لیے تو مجھے چھوڑ دے کہ میرا غضب ان پر بھڑکے اور میں ان کو بھسم کر دوں۔''(۳۳)

جن لوگوں نے گوسالہ پرستی کا ارتکاب کیا تھا اور فتنۂ ارتداد کو ہوا دی تھی، ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کو حکم دیا کہ ''فاقتلوا انفسکم'' یعنی تم اپنے اندر سے ایسے لوگوں کو تہہ تیغ کر دو۔ توریت کے مطالعے سے بھی یہ نقطۂ نظر منصۂ شہود پر آتا ہے۔ اسی طرح سورہ بقرہ کی درج ذیل آیت کی تفسیر کے لیے تورات سے استفادہ کیا گیا:

''وَاِذِ اسۡتَسۡقٰى مُوۡسٰى لِقَوۡمِهٖ فَقُلۡنَا اضۡرِب بِّعَصَاكَ الۡحَجَرَ فَانفَجَرَتۡ مِنۡهُ اثۡنَتَا عَشۡرَةَ عَيۡناً قَدۡ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشۡرَبَهُمۡ كُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا مِن رِّزۡقِ اللّٰهِ وَلَا تَعۡثَوۡا فِی الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ''(البقرہ:۲/۶۰)

(اور یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے دعا کی تو ہم نے کہا: اپنی لٹھیا پتھر پر مار دو، تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ ہر گروہ نے اپنا اپنا گھاٹ متعین کر لیا، کھاؤ اور پیو اللہ کے رزق میں سے اور نہ بڑھو زمین میں فساد مچانے والے بن کر۔)

مذکورہ آیت کے متعلق مولانا فرماتے ہیں کہ ''تورات'' سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پانی کے لیے یہ دعا دشت صین میں کی ہے۔ (کتاب گنتی باب ۲۰)

یہ چند مثالیں تدبر قرآن سے نقل کر دی گئی، اس کے علاوہ بھی تدبر قرآن کی نو جلدوں میں اس طرح کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔

یہاں یہ صراحت ناگزیر ہے کہ صحف سماوی سے بالعموم استدلال و استفادے کا رواج سرسید نے عام کیا، اپنی تفسیر، تصانیف اور بالخصوص معروف کتاب ''تبیین الکلام'' میں اس نقطۂ نظر کی توثیق کی۔ اور تبیین الکلام تو توریت، زبور، انجیل اور قرآن کریم کے مابین ایک موازنہ ہے، اس سے بہتر مقارنہ دنیا پیش کرنے سے عاجز ہے۔ اہل کتاب کی بہت سی خامیاں قرآن کریم کے متعلق کافور ہو گئیں۔

مفردات القرآن

دونوں تفسیروں میں مفردات القرآن کی توضیح و تفسیر پر کافی توجہ مبذول کی گئی ہے۔ مولانا اصلاحی نے مفردات کے حقائق کی دریافت کے لیے قرآن کریم، کلام عرب اور لغات سے رہنمائی حاصل کی ہے۔ اس کے علاوہ بعض غرائب کی تہوں تک پہنچنے کے لیے مولانا کی ذاتی کاوشیں شامل ہیں۔ تدبر قرآن میں مفردات کی تحقیقات کا جائزہ لینے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا اصلاحی کا قرآن کریم کے بعد

زیادہ تر انحصار اپنی ذہنی کاوش پر ہے۔ یہ اندازِ تحقیق انہیں اپنے استاذ گرامی مولانا فراہی سے ملا ہے۔اس کے برعکس تفسیر ماجدی میں مفردات کی تحقیق کا انحصار کتبِ تفسیر اور لغات پر ہے۔مولانا اصلاحی نے تحقیقات کی ذمہ داریاں خود نبھائی ہیں، تدبر قرآن کا یہ پہلو غیر معمولی حد تک مضبوط ہے۔

لفظ ''شیاطین'' پر تفسیر ماجدی میں تفصیلی بحث موجود ہے لیکن سارا انحصار کتبِ تفسیر اور لغات پر ہے۔اس لفظ کا مادہ ''شطن'' ہے جس کا مفہوم خیر وحق سے دور ہونا ہے۔شیطان وسیع مفہوم کا حامل ہے۔ ہر سرکش اور متمرد شیطان کے زمرے میں شامل ہے۔اس کا اطلاق جن وانس دونوں پر ہوتا ہے، حدیث نبوی ﷺ میں تنہا مسافر کو بھی شیطان کہا گیا ہے۔اخلاقی امراض کو بھی حدیث میں شیطان سے تعبیر کیا گیا ہے۔[۳۴] مذکورہ سارے خیالات تاج العروس، مفردات القرآن لراغب، تفسیر مجاز القرآن، لسان العرب، النہایہ فی غریب الحدیث والتنزیل سے ماخوذ ہیں۔

اسی چیز کو صاحب تدبر نے نہایت اختصار سے اس طرح پیش کیا ''شیطان کا شاط یشیط سے فعلان کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے، اس کے معنی جلد باز، تندخو، مشتعل مزاج اور شریر وسرکش کے آتے ہیں۔ان صفات کے حامل جنوں میں سے بھی ہوتے ہیں اور انسانوں میں سے بھی۔ یہاں یہ لفظ یہود کے ان لیڈروں کے لیے استعمال ہوا ہے جو فساد فی الارض کے اس سارے کھیل کی رہنمائی کر رہے تھے۔''[۳۵]

لفظ ''صلوٰۃ'' کے سلسلے مولانا ماجد دریابادی کی یہ رائے ہے:

''صلوٰۃ'' کے لفظی معنی دعا کے ہیں، اصطلاح شریعت میں ایک مخصوص ہیئت کی معروف عبادت کا نام ہے اور یہ نام بھی اس لیے پڑا کہ دعا ہی اس عبادت کا جزو اعظم ہے۔''[۳۶] یہ خیال امام راغب اصفہانی سے ماخوذ ہے۔

تدبر قرآن میں لفظ صلوٰۃ پر اظہارِ خیال یوں کیا گیا: ''صلوٰۃ کا لفظ اصلاً لغت میں کسی شیئ کی طرف متوجہ ہونے کے لیے آیا ہے۔پھر یہیں سے یہ لفظ رکوع کے معنی میں، پھر تعظیم وتضرع اور دعا کے معنی میں استعمال ہوا۔استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی کی تحقیق یہ ہے کہ یہ لفظ عبادت کے معنی میں بہت قدیم ہے۔کلدانی میں دعا اور تضرع کے معنی میں اور عبرانی میں رکوع اور نماز کے معنی میں یہ استعمال ہوا ہے۔قرآن میں یہ لفظ ایک اصطلاح کی حیثیت سے استعمال ہوا ہے جس کی وضاحت قرآن میں بھی ہے، اور سنت میں بھی، علاوہ ازیں امت کے قولی اور عملی تواتر نے اس کی شکل وہیئت اور اس کے اوقات بالکل محفوظ رکھے ہیں، اگر اس کے جزء میں کوئی اختلاف ہے تو وہ محض فروعی قسم کا ہے جس سے اصل حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔''[۳۷] مولانا حمید الدین فراہی نے ''مفردات القرآن'' میں مختلف آیات کریمہ کو نقل کرتے ہوئے اس لفظ کی نہایت بلیغ تشریح کی ہے۔

تفسیر ماجدی میں صلوٰۃ کے لفظی معنی دعا کے بتائے گئے، جب کہ اس کا لفظی مفہوم کسی کی طرف متوجہ ہونے کے ہے۔دراصل یہیں سے دعا کے مفہوم میں استعمال ہونا شروع ہوا۔مولانا اصلاحی نے اپنے

استاذ گرامی کے حوالے سے اس کا تاریخی تسلسل بھی بیان کیا ہے۔ جو بڑا ہی قابلِ قدر ہے، تفسیر ماجدی میں کسی تحقیق کے بغیر راغب کے حوالے سے بات کہی گئی ہے۔

لفظ ''الظن'' کے متعلق دونوں تفسیروں میں مفید گفتگو کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ ظن گمان اور یقین دونوں کے معنی میں آتا ہے۔ مولانا دریابادی نے اپنے نہج تحقیق کے مطابق تمام خیالات تفسیر طبری، معالم التنزیل، النہر اللقیط اور البحر المحیط سے اخذ کیے ہیں، مولانا دریابادی کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ یہ خیالات کلام عرب میں موجود ہیں، لیکن دلیل پیش نہیں کی گئی۔ (۳۸)

صاحب تدبر نے ظن کے مفہوم کی وضاحت کے لیے سب سے پہلے قرآن کریم سے مدد لی ہے۔ لفظ گمان اور شک کے مفہوم کے لیے ملاحظہ کیجئے سورہ جاثیہ کی آیت ''ان نظن الا ظنا وما نحن بمستيقنين'' (الجاثیہ: ۳۲/۲۵) ''ہم محض ایک گمان کر رہے ہیں اور ہم یقین کرنے والے نہیں ہیں) یہی مفہوم کلام عرب میں اس طرح ہے:

و اعلم علماً ليس بالظن انه
اذا ذل مولى المرء فهو ذليل (۳۹)

کبھی کبھی یہ لفظ بن دیکھی چیز کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، لیکن وہاں پر کامل یقین کے ساتھ یہ بات کہی جاتی ہے، اس میں شک کا شائبہ نہیں ہوتا۔ (۴۰) کلام عرب میں یہ مفہوم موجود ہے۔

الا لمعى الذى يظن بك الظن
كان قد راى وقد سمعا (۴۱)

(وہ ذہین تمہارے بارے میں کوئی گمان بھی کرے تو معلوم ہوتا ہے دیکھ کر اور سن کر کرتا ہے)

فقلت لهم ظنوا بالفى مدجج
سراتهم فى الفارسى المسرد (۴۲)

(میں نے ان سے کہا کہ دو ہزار سلاح پوش سواروں کا یقین کرو جن کے سردار باریک کڑیوں کی زرہیں پہنے ہوں گے)

مولانا دریابادی نے بقرہ کے متعلق اپنے مرشد مولانا تھانوی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''بقرہ'' کا ترجمہ میں نے ''بیل'' سے نہیں ''گائے'' سے کیا ہے، لغت سے مجھے جھکتا ہوا پلہ گائے ہی کا معلوم ہوا۔''

مولانا تھانوی نے ''بیان القرآن'' میں بقرہ کا ترجمہ ''بیل'' سے کیا ہے، جس کی دلیل میں مولانا نے یہ آیتِ کریمہ پیش کیا:

''قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ'' (البقرۃ: ۲/۷۱)

(کہا کہ وہ فرماتا ہے کہ وہ گائے محنت کرنے والی نہ ہو جو زمین کو جوتتی ہو اور نہ کھیتی کو پانی دیتی ہو)

ظاہر ہے کھیت میں ہل چلانے اور اس میں پانی دینے کا کام بیل سے لیا جاتا ہے اس شرط سے

بخوبی واضح ہے کہ یہاں بقرہ سے بیل مراد ہے، مولانا تھانوی نے مولانا دریابادی کے خط کا جواب اس طرح تحریر کیا ہے:

''بقرہ کے سلسلے میں لغت اور نقل میں دونوں برابر ہیں، دونوں کا اختیار کرنا جائز ہے، لیکن مجھ کو بیل کا ترجمہ اس لیے راجح معلوم ہوتا ہے کہ آگے آیت میں ''لَّا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ'' آیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ وصف عادی قبل فطری کے ہے تو اس کی نفی کی ضرورت تھی اور بقرہ کا مذکر و مؤنث دونوں استعمال میں ہے لیکن اگر کسی کے ذیل میں دوسرے ترجمے کی ترجیح ہو تو گنجائش ہے۔''(۴۳)

مولانا اصلاحی نے لفظ کے دونوں مفاہیم کو مستند و مدلل بنانے کے لیے قرآن کریم اور کلام عرب سے استفادہ کیا، جب کہ یہ دونوں بنیادی چیزیں مولانا دریابادی کے یہاں مفقود ہیں۔ یہاں یہ وضاحت نفع بخش ہوگی کہ ڈاکٹر اورنگ زیب نے تفسیر تدبر قرآن کے مفردات کو ''قاموس الفاظ واصطلاحات قرآنی'' کے عنوان سے تحقیق وتخریج کی ہے۔ یہ مجموعہ فکر فراہی، تدبر قرآن کے منہاج اور قرآنیات کے تفہیم کے باب میں اہمیت کا حامل ہے اور تفاسیر میں مفردات کی توضیح کے باب میں یہ کام انفرادی نوعیت کا ہے۔

تصوّف

تفسیر ماجدی میں صوفیہ کرام کے اقوال بھی کثرت سے ملتے ہیں، بالخصوص مولانا تھانوی کے حوالے سے متصوفانہ تفسیر کے بے شمار نمونے مل جائیں گے۔ مولانا تھانوی کی تفسیر ''بیان القرآن'' کے حوالے سے تقریباً ہر دوسرے تیسرے صفحے پر موجود ہیں، جس سے قارئین کو گرانی محسوس ہونے لگتی ہے، یہ چیز قرآنی تفکر کے برعکس ہے۔ تفسیر تدبر قرآن متصوفانہ تفسیر سے پاک ہے۔ صوفیہ کرام اپنے اوراد و وظائف اور سلوک وطریقت کی روشنی میں قرآنی آیات کی ایسی تفسیر پیش کرتے ہیں کہ جسے ''تفسیر بالرائے'' سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ مولانا دریابادی نے مختلف آیات کی تفسیر کے ضمن میں صوفیہ کے خیالات کو درجۂ استناد عطا کیا ہے۔

آیت ''فثم وجه الله'' کی تفسیر میں مولانا دریابادی لکھتے ہیں ''اور بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ ہم بھی اس طرح کائنات میں جس چیز پر نظر ڈالتے ہیں انوار حق ہی کا جلوہ دیکھتے ہیں۔''(۴۴)

صوفیہ کرام کے اس تصور کو ''غیر اسلامی فکر'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اگر اسے تسلیم کر لیا جائے تو دنیا کی ہر چیز اللہ ہے، اور یوں خالق اور مخلوق کے درمیان فرق کا تصور ہی مٹ جائے گا۔ یہ خیال سراسر غیر قرآنی ہے۔

قرآنی آیت ''ان الله واسع علیم'' کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا رقم طراز ہیں ''وہ تو خود ہی بے پایاں وسعتوں والا ہے، بڑی سے بڑی وسعت خود اس کے اندر شامل ہے، اسے بھلا کون اپنے اندر لے سکتا ہے؟ اس کی سمائی کس بڑے سے بڑے ظرف و مکان میں ہو سکتی ہے، ہر سمت ہر جہت تو خود ہی اس کی مخلوق ہے، مملوک ہے، وہ لامحدود بھلا کس محدود سمت و جہت میں گھر سکتا ہے؟

’’واسع باحاطته بالاشیاء‘‘(بیضاوی)

یہاں پہنچ کر صوفی منش ناظرین حضرت رومی کی مثنوی کے یہ شعر بھی متحضر کر سکتے ہیں۔ (۴۵)

گفت پیغمبر کہ حق فرمودہ است　　من نہ گنجم ہیچ در بالا و پست

در زمین و آسمان و عرش نیز　　من نہ گنجم یقیں داں اے عزیز

آیت ’’فلنولینك قبلة ترضاها‘‘ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے مولانا دریابادی نے مولانا تھانوی کی تفسیر بیان کی کہ ’’اہلِ طریقت کے یہاں جو اصطلاح مقام مرادیت ومحبوبیت کی آئی ہے، اس کی اصل یہی آیت ہے۔

کیا ٹھکانا ہے اس بلندئ مرتبہ کا کہ مولا خود طالب رضائے عبد ہو جائے! اس کے آگے کوئی مرتبہ تصور میں نہیں آ سکتا۔ اقبال نے اسی مقام کی تشریح کی ہے۔(۴۶)

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندہ سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

آیت ’’واناالیه راجعون‘‘ کی تفسیر میں حضرت تھانوی کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ ’’راجعون‘‘ یہ کلمۂ استرجاع تمام مصیبتوں کا علاج ہے اور انہی میں قبض بھی داخل ہے جو سالکوں کو اکثر پیش آتا رہتا ہے۔‘‘(۴۷)

سورہ بقرہ کی آیت ۱۵۹ میں اللہ کی نشانیوں اور ہدایت سے متعلقہ چیزوں کو عام کرنے کی بات کہی گئی ہے۔ اسی تعلق سے مولانا تھانوی کا یہ خیال بھی نقل کیا گیا کہ مرشد اپنے مریدوں سے علوم شریعت کو چھپا نہیں سکتا، کیونکہ یہ ما انزل الله کے عموم میں داخل ہیں، البتہ علوم مکاشفہ کا حکم دوسرا ہے، وہ منزل نہیں بلکہ بعض اوقات ان کے اظہار میں خوف فتنہ بھی ہے۔

مذکورہ اقتباس سے ظاہر ہے کہ علومِ شریعت کے علاوہ علوم مکاشفہ بھی ہیں جو شریعت سے جداگانہ ہیں۔ صوفیہ کے یہاں یہ عام تصور موجود ہے کہ علومِ شریعت سے محض اصلاحِ نفس ممکن نہیں۔

تفسیر ماجدی میں اس طرح کے خیالات بکثرت موجود ہیں۔ اس کے برعکس تفسیر تدبر قرآن اس طرح کے مافوق الفطرت خیالات سے پاک ہے، کیوں کہ مولانا اصلاحی کے نزدیک تصوف اسلام کا ایک متوازی نظام ہے۔ صوفیہ کرام کے اختراع کردہ اذکار اور طریقۂ عبادت کا کوئی تعلق اسلام سے نہیں ہے۔ کیوں کہ علم شریعت صوفیہ کرام کی نظر میں علم باطن کے مقابلے میں بے معنی ہے۔ مولانا اصلاحی نے صوفیہ کرام کے خیالات کی ترجمانی اس انداز سے کی ہے۔

’’اگرچہ یہ بات صحیح ہے کہ اکابر صوفیہ کھلم کھلا شریعت کی تحقیر نہیں کرتے بلکہ ہر حال میں اس کی حیثیت ان کی نظر میں محض ’’علم ظاہر‘‘ کی ہے اور یہ علم ظاہر ان کے نزدیک اس علم باطن کے برابر نہیں ہے

جس کو وہ علم حقیقی سمجھتے ہیں اور جس کے متعلق ان کا دعویٰ ہے کہ وہ شریعت سے بالکل الگ ہے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ بعض صوفیوں نے ترنگ میں آ کر علم شریعت کے بارے میں ایسے الفاظ استعمال کر دیے جن سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اپنے ''علم باطن'' کے مقابلے میں اس کو کوئی خاص وقعت نہیں دیتے۔[۴۸] مثلاً ایک شیخ تصوف کا ارشاد ہے:

''ہم اپنا علم ایک ایسی ذات سے حاصل کر رہے ہیں جو زندہ ہے اور کبھی مرنے والی نہیں اور تم اپنا علم ایسے زندہ سے حاصل کر رہے ہو جسے بہر حال ایک دن مرجانا ہے۔''

مولانا امین احسن اصلاحی نے ''تزکیۂ نفس'' میں تصوف کی حقیقت کا جائزہ قرآن کریم کی روشنی میں لیا ہے اور یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ تصوف کا دین اسلام سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔

تاریخ

تفسیر ماجدی کی ایک خاص پہچان یہ ہے کہ اس میں اقوام قدیمہ اور عرب کی تاریخ سے شدت اعتناء برتا گیا ہے، مولانا دریابادی نے تفسیر آیات کے درمیان پرانی قوموں اور عربوں کی تاریخ سے ایسے ایسے واقعات نقل کیے ہیں جن کی وجہ سے بہت سے تفسیری مسائل آسان ہو جاتے ہیں۔ مولانا کی عالمی تاریخ پر گہری نظر تھی۔ تفسیر ماجدی میں بنی اسرائیل سے متعلق وافر معلومات دست یاب ہیں۔ یہود و نصاریٰ اور صابئون کی تاریخی حیثیت بیان کی گئی ہے، بالخصوص ''نصاریٰ'' کی تحقیق میں ایک قابلِ فخر قدم اُٹھایا گیا ہے۔[۴۹] اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام، بیت اللہ اور مقام ابراہیم کی تاریخی حیثیت بیان کی گئی ہے۔[۵۰] نیز صفا اور مروہ کی تاریخی حیثیت کو بھی اچھے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔[۵۱]

تفسیر تدبر قرآن میں بھی تاریخ اقوام اور تاریخ عرب کو موضوع بحث بنایا گیا ہے لیکن تاریخی واقعات کی تفصیل و تشریح جس انداز سے تفسیر ماجدی میں ہے وہ تدبر قرآن میں نہیں۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سرگزشت کو مختصر ترین الفاظ میں پیش کیا گیا ہے۔[۵۲] اسی طرح یہود و نصاری کی تاریخ بیان کرتے ہوئے ایجاز سے کام لیا گیا ہے۔[۵۳] مولانا اصلاحی نے ''صفا اور مروہ'' کی تاریخ پر کچھ لکھا ہی نہیں۔[۵۴] تدبر قرآن میں تفسیر ماجدی کے بالمقابل تاریخی واقعات پر بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے بہت سے تفسیری تقاضے ادا نہیں ہو پاتے اور ایک طالب قرآن کی توجہ حقیقی مقاصد سے ہٹ جاتی۔

مولانا فراہی نے مروہ پر اپنی کتاب ''ذبیح کون ہے؟'' میں مدلل و محقق انداز میں تحریر کیا ہے، چوں کہ مولانا فراہی انگریزی اور عبرانی دونوں زبانوں سے واقف تھے اس لیے اہلِ کتاب اور ان کے اسکالرز نے مروہ کے باب میں عملی خیانت کی ہے، اسے مولانا نے طشت از بام کیا ہے اور توریت سے براہِ راست حوالہ دیتے ہوئے اہل کتاب کے علمی کتمان کا پردہ فاش کیا ہے، نیز کلام عرب میں شعرائے ''مروہ'' کا ذکر کیا ہے، اس لیے اشعار مولانا نے بطور استشہاد نقل کیا ہے۔[۵۵] مکاتیب شبلی سے یہ تاثر ابھرتا

ہے کہ ''سیرۃ النبی'' میں اس تعلق سے تمام تحقیقات فراہی کی پیش کردہ ہیں۔(۵۶)

فقہ

تفسیر ماجدی میں فقہی مسائل پر بڑی شرح وبسط کے ساتھ اظہارِ خیال کیا گیا ہے اور مختلف آئمہ کی آراء مسئلے کے باب میں نقل کی گئی ہیں۔ مثلاً نکاح کے مختلف پہلوؤں پر مولانا دریابادی نے عالمانہ گفتگو کی ہے۔ کتابیہ، لونڈی، ہندوعورت اور آتش پرست عورت کے سلسلے میں اسلام کے کیا احکامات ہیں؟ یہ موضوعات اس تفسیر میں مل جائیں گے، عورتوں کو قرآن کریم میں کھیتوں سے تشبیہ دی گئی ہے، اس مسئلے پر فقہائے کرام کی آراء پیش کی گئی ہیں(۵۷) اشہر حرم اور خلع کے متعلق سے بھی فقہی مباحث اُٹھائے گئے ہیں اور ربا کے باب میں اسلامی نقطۂ نظر پیش کیا گیا ہے، اس تفسیر کا فقہی پہلو بھی نہایت اہم ہے۔ تفسیر تدبر قرآن میں بعض بنیادی فقہی مسائل پر گفتگو کی گئی ہے لیکن فقہ پر کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی۔

نحو

تفسیر ماجدی میں نحوی مسائل پر بھی جگہ جگہ بحث کی گئی ہے لیکن تدبر قرآن میں اس مسئلے کو بہت زیادہ اہمیت نہیں دی گئی ہے کیوں کہ اس طرح کے مسائل میں الجھنے سے قرآنی مقاصد سے انسان دور چلا جاتا ہے، البتہ بعض نحوی مسائل کو ضرور ابھارا گیا ہے تاکہ قرآن کریم کے ادبی اعجاز کو منظرِ عام پر لایا جا سکے۔

اعلام القرآن

تفسیر ماجدی کا ایک نمایاں پہلو ''اعلام القرآن'' ہے جس پر قابلِ ستایش گفتگو کی گئی ہے۔ اس موضوع پر مولانا وسعت نظر کے حامل تھے، آسمانی صحیفوں، قرآن کریم، اسلامیات اور انگریزی ادبیات کے حوالے سے اس موضوع پر جامع گفتگو کی ہے۔ اس بحث کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ قرآنی شخصیات کے متعلق معلومات حاصل ہونے کے بعد قرآنی قصص اور دیگر قرآنی مسائل کے مالہ وماعلیہ کے سمجھنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ تدبر قرآن میں بعض اعلام القرآن پر اظہارِ خیال کیا گیا ہے لیکن تفسیر ماجدی جیسا اہتمام نہیں پایا جاتا۔ مولانا دریابادی کی اس موضوع پر ''اعلام القرآن''(۵۸) کے عنوان سے ایک تصنیف بھی ہے جو تفسیر ماجدی ہی سے ماخوذ ہے۔

مولانا دریابادی نے ''ابراہیم'' پر بھرپور بحث کی ہے۔ حضرت ابراہیم کے سوانحی خاکے کے ساتھ ساتھ ان کے سوانحی کوائف بھی قلم بند کیے ہیں۔ لفظ ابراہیم سریانی لفظ ہے، عربی اہل لغت نے اپنی زبان میں ''اب رحیم'' کے معنی میں لیا ہے، کیوں کہ بچوں سے حد درجہ شفقت ومحبت فرماتے تھے۔(۵۹) آپ کے متعلق حدیث نبوی ﷺ میں ارشاد ہے کہ مسلمانوں کے چھوٹے بچوں کی بعد وفات قیامت تک کفالت وتربیت حضرت ابراہیم کے ذمہ رہے گی۔ تدبر قرآن میں لفظ ابراہیم پر کوئی گفتگو نہیں ہے۔

لفظ ''ابلیس'' کا مفہوم یاس زدہ ہے۔ مولانا دریابادی نے یہ مفہوم قرآن کریم کی روشنی میں پیش کیا۔(۶۰) قرآن کریم میں ''**یبلس المجرمون**'' (مجرم بے آس ہوجائیں گے) اور ''**فاذاهم مبلسون**'' (اور وہ دھک سے رہ گئے) آیا ہوا ہے۔ مولانا نے یہ بھی بتایا کہ ابلیس کے متعلق بالعموم یہ مشہور ہے کہ وہ فرشتہ تھا، جب کہ وہ جن تھا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ''**کان من الجن**'' (وہ جن میں سے ہے) اور وہ نور کا نہیں بلکہ نار کا بنا ہوا تھا۔ ''**خلقتنی من نار**'' (تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا)۔ تدبر قرآن میں لفظ ابلیس کی صرف لغوی تحقیق پیش کی گئی ہے۔ مولانا اصلاحی صاحب رقم طرز ہیں:

''ابلیس أبلَسَ سے افعیل کے وزن پر ہے۔ ابلیس کے معنی غمگین ہونے، انکار کرنے اور مایوس ہونے کے ہیں۔ ابلیس دراصل اس جن کا لقب ہے جس نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ قرآن مجید میں اس بات کی تصریح ہے کہ یہ جنات میں سے تھا۔ سورہ طٰہ میں ہے: **واذ قلنا للملئكة اسجدوا لأدم فسجدوا الا ابليس كان من الجن ففسق عن امر ربه** (اور یاد کرو جبکہ ہم نے کہا فرشتوں سے کہ سجدہ کرو آدم کو تو انھوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے، وہ جنات میں سے تھا، اس نے اپنے رب کے حکم سے انحراف کیا۔(۶۱)

تفسیر ماجدی میں بنی اسرائیل کا پورا شجرہ اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور تاریخی حیثیت سے ان کے احوال قلم بند کیے گئے ہیں۔(۶۲) تدبر قرآن میں یہ بحث تفسیر ماجدی کے مقابلے میں ہلکی ہے۔ مولانا اصلاحی نے مولانا فراہی کے حوالے سے بتایا کہ اسرائیل یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے۔ عبرانی میں ''اسر'' بندہ کو کہتے ہیں اور ایل اللہ کو، اس طرح اسرائیل کا مفہوم ''عبداللہ'' ہے۔(۶۳)

مولانا دریابادی نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا تعارف کراتے ہوئے ان کی حکومت کے حدود اربعہ بیان کیے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ''شام وفلسطین کے علاوہ آپ کے حدود حکومت، مشرق کی سمت میں عراق کے دریائے فرات کے ساحل تک اور مغرب میں سرحد مصر تک وسیع تھے۔(۶۴) مولانا اصلاحی اپنی تفسیر میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق خاموش ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لقب مسیح تھا، جس کے اشتقاق میں اختلاف ہے۔ یہ عربی الاصل ہو یا عبرانی کے کسی لفظ کا معرب، لیکن اردو میں اس کا مفہوم ''مبارک'' ہے۔(۶۵) حضرت مسیح کی شخصیت کے متعلق مزید معلومات تفسیر ماجدی میں موجود ہیں۔ صاحب تدبر قرآن نے بھی اس موضوع پر کافی تفصیلی بحث کی ہے اور آپ کے لقب ''مسیح'' کے متعلق فرمایا کہ بخاری شریف میں ان کا جو حلیہ بیان ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سر کا حال یہ تھا کہ گویا اس سے تیل ٹپک رہا ہے، ممکن ہے ان کی اس خصوصیت کی وجہ سے ان کو مسیح لقب عنایت ہوا ہو، انجیل میں ان کے لیے ''خدا کا مسیح کے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں۔''(۶۶)

مذکورہ چند مثالوں کی روشنی میں یہ بتانا مقصود ہے کہ تفسیر ماجدی میں اعلام القرآن پر خصوصی توجہ دی گئی ہے اور بہت سی مفید معلومات فراہم کی گئی ہیں، اعلام القرآن پر دریابادی کی گہری گرفت تھی۔

اردو کی تفاسیر میں اس موضوع پر یہ تحقیقی انداز نہیں ملتا۔ تدبر قرآن میں یہ موضوع تشنہ ہے۔ البتہ یہ بات یہاں ذکر کرنی ضروری ہے کہ عبرانی الفاظ کے معانی کے سلسلے میں جو متانت اور معرکہ آرائی سرسید کے یہاں ہے مفسرین کے یہاں نہیں ملتی، اس طرح کے مباحث ان کی معروف تصنیف ''تبیین الکلام'' میں بکثرت موجود ہیں۔ اس کتاب کے معیار و محور کو دیکھتے ہوئے مسیحی علماء اور اسکالرز نے بہ بانگ دہل یہ اعلان کیا کہ یہ ہمارے علماء سے بھی آگے ہیں۔

تفسیر ماجدی کی ایک قابل ذکر خصوصیت ''جغرافیہ قرآن'' ہے۔ مولانا دریابادی ''جغرافیہ قرآن'' کے ماہر تھے، انھوں نے اپنی تفسیر میں مختلف شہروں اور قوموں کی رہائش گاہوں کے نقشے دے کر ایک نئی جہت کا آغاز کیا۔ اس کے علاوہ قرآن کریم کی بہت سی آیات ایسی ہیں کہ اگر جغرافیائی احوال سامنے ہوں تو بہت سی تفسیری تہیں کھل جاتی ہیں۔ تفسیر تدبر قرآن میں یہ پہلو بالکل ہی مس نہیں کیا گیا۔ مولانا دریابادی کی یہ خدمات قرآنیات کی دنیا میں قدر و منزلت کی نظروں سے دیکھی جاتی ہیں۔

لفظ ''ام القریٰ'' کی جغرافیائی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے مولانا دریابادی فرماتے ہیں کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اس سے شہر مکہ مراد ہے۔ ام القریٰ کہنے کے اسباب یہ ہیں کہ تمام ملکوں کی روحانی قیادت یہیں سے ہوتی ہے۔ ایک وجہ یہ ہے کہ زمین کے عین وسط میں واقع ہے، اس کے علاوہ دنیا کی تمام تہذیبوں کا سنگم ہے، اس کے علاوہ دنیا کے تین بڑے براعظموں ایشیاء، افریقہ، یورپ کا سر راہ عین ساحل حجاز سے پھوٹتا ہے۔ مولانا نے اپنی تفسیر میں مزید ام القریٰ کی رفعت و عظمت پر اظہارِ خیال کیا ہے۔[۶۷] تدبر قرآن میں ام القریٰ کی حیثیت ضرور منظر عام پر لائی گئی ہے لیکن اس کے جغرافیائی افادیت کو منظرِ عام پر نہیں لایا گیا ہے۔[۶۸] پروفیسر محمد شکیل اوج نے ام القریٰ پر نہایت مدلل روشنی ڈالی ہے۔[۶۹]

سورہ بقرہ کی آیت ۵۸ میں ''القریہ'' آیا ہوا ہے۔ مفسرین کی اکثریت کا خیال ہے کہ اس سے فلسطین کا مشہور شہر ''اریحا'' مراد ہے۔ یہی خیال تفسیر ماجدی اور تفسیر تدبر قرآن کا بھی ہے۔ مولانا دریابادی فرماتے ہیں کہ یہ بحر مردہ کے شمالی ساحل سے پانچ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اسے اسرائیلیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت یوشعؑ کے زمانے میں فتح کیا تھا۔ بنی اسرائیل کی دشت پیمائی کے زمانے میں یہ شہر ان کا سرحدی ناکہ تھا۔ عربی میں اسے وادی النار بھی کہتے ہیں اور وادی ستی مریم بھی۔''[۷۰] تدبر قرآن میں یہ تمام تفاصیل نہیں ملتی ہیں۔[۷۱]

''بابل'' پر تفسیر ماجدی میں حد درجہ علمی اور تحقیقی انداز اختیار کیا گیا ہے۔ بابل درحقیقت جدید نقشے میں عراق کو کہا جاتا ہے۔ شہر بابل دریائے فرات کے کنارے پر واقع تھا، اسی کا دوسرا نام کلدانیہ ہے۔ بابلی مذہب سحر و کہانت کے انواع و اقسام ہیں۔ یہود اس شہر کو احترام کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ بابل کے سلسلے میں مزید تفصیلات مولانا نے یک جا کر دی ہیں۔[۷۲] جب کہ تدبر قرآن میں بابل کے باب میں کوئی ایک سطر بھی موجود نہیں۔

مقام ''بدر'' کے سلسلے میں اختصار کے ساتھ قیمتی موادفراہم کردیا گیا ہے۔ ''مدینے کے جنوب و مغرب میں اس سے کوئی ۲۰ میل کے فاصلے پر اور ساحل بحر احمر سے ایک منزل پر ایک پڑاؤ اور منڈی کا نام ہے۔ یہ مقام نہ صرف شام اور مکے و مدینے کی سڑکوں کا تراہا تھا اور قریش کے تجارتی قافلے آمدورفت میں یہیں سے گزرتے تھے۔ بلکہ اسے اہمیت اس لیے بھی حاصل تھی کہ یہاں پانی کی افراط تھی اور یہ عرب میں ایک بڑی چیز تھی۔(۷۳)

تفسیر ماجدی میں ارض القرآن سے متعلقہ مباحث کا تعلق ملکوں، شہروں، عمارتوں، میدانوں اور کچھ دیگر مقامات سے ہے، جن کی تعداد ۱۲۹ تک پہنچتی ہے۔ مولانا نے جس طرح مذکورہ چیزوں پر اظہار خیال کیا ہے بعد میں اس موضوع پر اضافے کے ساتھ ''ارض القرآن یا جغرافیہ قرآنی'' کے نام سے ایک مکمل تصنیف ترتیب دی، جو دراصل تفسیر ماجدی ہی کا حصہ ہے، جو غیر معمولی حد تک معلومات سے پر ہے، مطالعۂ قرآن کے شائقین کے لیے یہ تصنیف مفید ہے۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ اردو زبان میں مطالعۂ اعلام القرآن اور جغرافیائی نقشوں کی ابتدا سرسید نے کی۔ اس طرح کے متعدد نقشے ان کی تفسیر اور خطبات احمدیہ میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں اس کے بعد اس پہلو پر ارتکاز دینے والے ڈاکٹر حمید اللہ اور مولانا مودودی ہیں لیکن اولیت سرسید کو حاصل ہے اور سرسید کے اس کام کو آگے بڑھانے کا سہرا مولانا دریابادی کے سر ہے۔

حیوانات قرآنی

تفسیر ماجدی کی خصوصیات میں سے ایک بین خصوصیت یہ ہے کہ ''حیوانات قرآن'' پر بڑی دلچسپ انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ عہد جدید کا یہ ایک قابلِ توجہ موضوع ہے، جب کہ عہد قدیم میں مسلم دانش وروں اور محققین نے اس موضوع پر وافر ذخیرہ چھوڑا ہے۔(۷۴) حیوانات پر پوری پوری تصانیف ترتیب دی گئی ہیں یا کتابوں میں حیوانات پر ابواب قائم کیے گئے ہیں لیکن بالخصوص حیوانات قرآن پر اظہارِ خیال ایک نیا قدم ہے اور قرآن کریم کی علمی انداز سے ایک اعلیٰ خدمت ہے۔ مولانا دریابادی نے اپنی تفسیر میں اس موضوع کو خوبصورتی سے اٹھایا ہے اور تفسیر سے فراغت کے بعد تفسیر میں موجود ان مضامین کو ''حیوانات قرآنی'' کے عنوان سے ایک علاحدہ کتاب قلم بند کی۔ یہ کتاب علمی دنیا کے لیے ایک انمول تحفہ ہے۔ تفسیر میں جانوروں کی تفاصیل اس قدر جاں کاہی اور جاں گدازی سے پیش کی گئی ہیں کہ اس پر مولانا کو جتنی بھی مبارک باد دی جائے کم ہے۔ قرآنی حیوانات پر بحث کرتے ہوئے اگر ان سے کوئی فقہی مسئلہ وابستہ ہے تو مولانا نے اسے بھی مختلف فقہائے کرام کے خیالات کی روشنی میں پیش کیا ہے۔ مثلاً لحم خنزیر پر اظہار خیال کرتے ہوئے مختلف جزئیات پر فقہاء کی آراء کا جائزہ لیا ہے۔ اس حیثیت سے تفسیر تدبر قرآن کی کوئی قابل ذکر خدمت نہیں ہے۔ سچ پوچھیے تو تفسیر ماجدی میں جدید موضوعات کو زیادہ مس کیا گیا ہے جب کہ تدبر قرآن میں جدید موضوعات پر رائے زنی نہیں کی گئی ہے۔

''تفسیر ماجدی'' میں انگریزی زبان میں اسلامیات اور قرآنیات سے متعلق موجودہ لٹریچر سے جس قدر استفادہ کیا گیا اس کی مثال کسی دوسری اردو تفسیر میں نہیں ملتی۔ اس سے مولانا دریابادی کی انگریزی ادب سے غیر معمولی واقفیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ تفسیر ماجدی کی یہ ایک ایسی علمی و تحقیقی خصوصیت ہے جس کی بنیاد پر مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات دیے گئے ہیں اور دنیائے استشراق ہی سے مواد فراہم کر کے مخالفین قرآنیات کو دنداں شکن جوابات دیے۔ تفسیر تدبر قرآن میں اس طرح کی کسی علمی کاوش کا وجود نہیں ملتا۔ تفسیر ماجدی میں جن انگریزی کتب کو بطور ماخذ و مصادر استعمال کیا گیا ہے ان میں سے کچھ کے عناوین درج کیے جا رہے ہیں تاکہ ان ماخذ سے تفسیر ماجدی کا علمی وقار منظر عام پر آسکے۔ ملاحظہ ہو:

۱- ڈکشنری آف دی بائبل (ہیسٹنگز ۲- ہسٹری آف دی جیوز (ملمین) ۳- جیوش انسائیکلوپیڈیا
۴- Sinai (Dean Stanley and Palestine) ۵- انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجنس اینڈ ایتھکس
۶- ریلیجن بابلو نیا اینڈ اسیریا (راجرس)، ۷- کالڈیا (ریگوزین)، ۸- انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا
۹- آن محمد اینڈ محمڈن ازم (بارسورتھ اسمتھ)، ۱۰- لائف آف محمد (سر ولیم میور)، ۱۱- Ginz Berg،
۱۲- سوشل لاز آف دی قرآن (ڈاکٹر برابرٹ رابرٹس)، ۱۳- Moral History of Fusoplan (Lecky)
۱۴- انسائیکلوپیڈیا ببلکا، ۱۵- Every man's library Series (Dr. Kohen)

تفسیر ماجدی کے مذکورہ انگریزی مراجع پر ایک نظر ڈالنے سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ مولانا دریابادی نے ان انگریزی کتب سے استفادہ کیا ہے جو علم و تحقیق کے رو سے اعلیٰ درجے کی حامل ہیں۔ تفسیر ماجدی میں ان انگریزی حوالوں سے استفادہ نہیں کیا گیا جو ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ تفسیر تدبر قرآن میں انگریزی زبان میں موجودہ قرآنی اور اسلامی مواد سے کوئی استفادہ نہیں ہے۔ تدبر قرآن ایک اعلیٰ درجے کی تفسیر ضرور ہے لیکن عصر حاضر کی جدید تحقیقات کا اس میں کہیں ذکر نہیں ہے۔ عصر حاضر کا تقاضہ ہے کہ آیات کریمہ کی تفاسیر اس انداز سے کی جائے کہ اس کے جدید تقاضے بھی منظر عام پر آجائیں۔

مذکورہ تمام گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ تفسیر ماجدی مختلف جدید و قدیم مفسرین کرام کے افکار کا مجموعہ ہے۔ مقدمے میں جابجا مولانا تھانوی کی تفسیری آراء کا ذکر تو ملتا ہے لیکن مولانا فراہی کے تفسیری اصولوں سے استفادے کی علامتیں معدوم ہیں۔ مولانا دریابادی نے تفسیر آیات، توضیح مفردات، احادیث سے استدلال اور کلام عرب سے تائید و توثیق میں صرف تفاسیر پر انحصار کیا ہے۔ اسی طرح نحوی مسائل میں اہلِ نحو کی آراء نقل کر دی ہیں اور بہت سے فقہی مسائل میں خود سے کچھ کہنے کے علی الرغم فقہاء کے نظریات پیش کیے ہیں۔ پوری تفسیر میں خال خال مولانا کے اپنے خیالات و احساسات ملیں گے۔ اس تفسیر میں تفکر و تدبر کا شائبہ مشکل ہی سے کہیں مل پائے گا۔ قرآن کریم میں بار بار قرآنی آیات میں اترنے اور کائنات کی نیرنگیوں میں اللہ کو تلاش کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ قرآن کریم مفسرین کی آراء کو نقل کرنے کے بجائے بندگان خدا کو تفکر و تدبر کی دعوت پر زور دیتا ہے۔

"اُنظر کیف نصرف ا لآیات لعلهم یفقهون" (الانعام:۶/۶۵)

ہم آیات کومختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں تا کہ وہ سمجھیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"وسع ربی کل شیئ علما افلا تتذکرون" (الانعام:۶/۸۰)

میرے رب کا علم ہر چیز پر چھایا ہوا ہے تو کیا تم لوگ دھیان نہیں کرتے۔

تیسری جگہ ارشاد ربانی ہے:

"کتب انزلناه الیك مبٰرك لیدبروا اٰیٰته ولیتذکر اولوا ا لالباب" (ص:۳۸/۲۹)

یہ کتاب ایک بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے آپ (ﷺ) پر نازل کیا ہے تا کہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تا کہ اہل فہم نصیحت حاصل کریں۔

مذکورہ آیات میں آیات قرآنی اور آیات آفاق وانفس میں غور وخوض کی دعوت دی گئی ہے۔ قرآن کریم خارجی اور داخلی دونوں کائنات پر غور کرنے پر زور دیتا ہے۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو تفسیر ماجدی تفکر و تدبر سے گریزاں نظر آتی ہے جب کہ تفسیر "تدبر قرآن" میں تفکر و تدبر کی اعلیٰ مثالیں موجود ہیں۔ اپنے انہی احساسات کی ترجمانی مولانا اصلاحی نے ان لفظوں میں کی ہے۔

"میں نے قرآن کریم کے ایک ایک سورہ پر ڈیرے ڈالے ہیں، ایک ایک آیت پر فکری مراقبہ کیا ہے اور ایک ایک ادبی یا نحوی اشکال کے حل کے لیے ہر اس پتھر کو الٹنے کی کوشش کی ہے جس کے نیچے مجھے کسی سراغ کے ملنے کی توقع ہوئی ہے اور یہ راز بھی میں برملا ظاہر کرتا ہوں کہ میں نے کبھی بھی اس کام میں کوئی تکان اور افسردگی محسوس نہیں کی بلکہ ہمیشہ نہایت گہری لذت اور نہایت عمیق راحت کا احساس کیا ہے۔"(۷۵)

تفسیر تدبر قرآن کا ہر قاری مولانا کے مذکورہ کلمات کی تصدیق کرے گا، کیوں کہ نظریۂ نظم قرآن تفسیری آراء کے نقل کرنے کا نام نہیں بلکہ تفکر فی الآیات کا مفہوم ہے، یہ ایک جستجو اور دھن کا نام ہے جس کی بین مثال تفسیر تدبر قرآن ہے۔ تفسیر قرآن کے لیے قرآن کریم، احادیث، کلام عرب اور لغت سے مدد لی گئی نہ کہ کتب تفسیر کو حقیقی مرجع قرار دیا گیا۔

یہ ہے دونوں تفسیروں میں بنیادی فرق۔ تفسیر ماجدی کو اس رو سے تدبر قرآن پر ضرور فوقیت حاصل ہے کہ اس میں جدید علوم اور جدید لٹریچر سے استفادہ کیا گیا ہے۔ مولانا اصلاحی جدید علوم اور دُنیائے استشراق سے اتنا واقف نہیں تھے جس قدر مولانا دریابادی۔ میرے اپنے خیال میں اُردو مفسرین اور مفکرین میں کوئی ایسا عالم نہیں ہے جس نے مولانا دریابادی کی طرح دقت نظر سے فلسفہ، مغربی لٹریچر اور استشراق کا مطالعہ کیا ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے مغربی ادب کا بھی خاصہ مطالعہ کیا تھا۔ یہ تمام چیزیں ان کے استحضار کا حصہ بن گئی تھیں۔ مغربی مفکرین اور فلاسفہ کی فتنہ انگیزیاں ان کی نظر میں تھیں۔ یہ

سب امتیازات مولانا اصلاحی کو کہاں حاصل تھے۔ مولانا اصلاحی کی کتاب ''فلسفے کے بنیادی مسائل قرآن حکیم کی روشنی میں'' بڑی ہلکی کتاب ہے کیونکہ انگریزی ادب اور مغربی فلاسفہ کا مطالعہ ان کا بہت محدود تھا۔ بہر کیف مولانا دریابادی کی یہ تمام چیزیں اصول تفسیر میں بنیادی کردار کی حامل نہیں ہیں، تدبر قرآن میں اصول تفسیر کی بنیادی چیزوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

یہ بات اس مقالہ میں بار بار آ چکی ہے کہ تفسیر ماجدی میں زیادہ تر بیان القرآن کے حوالے ہیں، اس کے بغیر یہ تفسیر آگے بڑھتی ہی نہیں، اسی کے ساتھ مفردات القرآن کے باب میں لغات سے مدد لی گئی ہے اور عربی تفاسیر کے جا بجا حوالوں سے یہ تفسیر مزین ہے، اگر تفسیر آیات مذکورہ دونوں نہج کو اختیار کیا گیا تو گویا تفکر قرآن کا بنیادی مطالعہ پورا نہیں ہوسکتا جبکہ قرآن کریم میں مختلف انداز سے تدبر قرآن کی آواز بلند کی گئی ہے۔ تفسیر ماجدی میں آنے والے حوالوں کو اس طرح دیکھا جاسکتا ہے: (۱) تنویر المقیاس (عبداللہ بن عباس کے تفسیری اقوال) (۲) جامع البیان (ابن جریر طبری) (۳) مفاتیح الغیب (امام جار اللہ زمخشری) (۴) تفسیر کبیر (امام فخر الدین رازی) (۵) احکام القرآن (امام قرطبی) (۶) معالم التنزیل (حسین ابن محمود شاہی) (۷) مدارک التنزیل (نسفی) (۸) انوار التنزیل (قاضی بیضاوی) اس کے علاوہ علاء الدین علی بن محمد ابراہیم البغدادی کی تفسیر ''الخازن'' اور بغوی کی معالم التنزیل سے بھی استفادہ کیا ہے، اسی طرح لغات میں لسان العرب Lxicon(lane) صحاح، اصفہانی کی مفردات القرآن، غریب القرآن، الفاظ القرآن (ابن قتیبہ) اور ما من بہ الرحمٰن من وجوہ الاعراب (البکری) کے جا بجا حوالے ملتے ہیں، مذکورہ مراجع کے علاوہ بہت سی دیگر تفاسیر اور لغات سے استدلال کیا گیا ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی کی تفسیر تدبر قرآن میں زیادہ تر حوالے مولانا حمید الدین فراہی کی تصانیف کے ملتے ہیں، یہ پہلو لائق ذکر ہے کہ مولانا اصلاحی نے اپنے استاذ گرامی کے خیالات سے اختلاف بھی کیا ہے، مثلاً مولانا فراہی نے پورے قرآن کریم کو سات گروپ میں تقسیم کیا ہے جبکہ مولانا اصلاحی نے اس کے آٹھ گروپ بتائے ہیں۔

مراجع

۱۔ مولانا اصلاحی اور مولانا دریابادی کے لیے دیکھئے: ذکر فراہی، ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی، دائرہ حمیدیہ مدرستہ الاصلاح، سرائے میر اعظم گڑھ، ۲۰۰۱ء، ص ۵۲۱-۵۰۵، نیز دیکھئے: ایضاً ص ۵۵۷

۲۔ نئی کتابیں بحوالہ ذکر فراہی، ص ۹۴۷-۹۳۷

۳۔ آپ بیتی، مولانا عبدالماجد دریابادی، مکتبہ فردوس، مکارم نگر، برولیا، لکھنؤ، پہلا ایڈیشن ۱۳۹۹ھ۔ ۱۹۷۸ء، ص ۳۵

۴۔ مضمون ''حضرت فراہی'' (قلمی) مولانا فراہی کے پوتے حمیداللہ فراہی کسی زمانے میں مشاہیر علم وقلم سے مضامین لکھوا کر ایک مجموعہ مرتب کرانا چاہتے تھے لیکن ان کا یہ ارادہ پورا نہ ہوا، یہ مضمون اسی سلسلے کا ہے، دیکھئے: ذکر فراہی، ص ۹۵۷

۵۔ آپ بیتی، ص ۲۹۴، مولانا فراہی پر مولانا دریابادی کے تاثرات کے لیے دیکھئے معاصرین حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی (ترتیب حکیم عبدالقوی دسنوی) باراول ۱۹۷۹ء، باردوم ۱۹۹۵ء، کیلی گراف آفسیٹ پرنٹرز، ۶۱ ربن اسٹریٹ کلکتہ-۱۶، ص ۱۲۳-۱۲۱، مولانا دریابادی نے مولانا فراہی سے اپنے استفادے کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے: ''جو دو آدمی اس دوران شدت سے یاد آتے رہے ایک مولانا حمیدالدین فراہی کہ ان سے عربی عبارت کے کتنے نکتے حل ہوجاتے۔'' (آپ بیتی، ص ۲۹۴)

۶۔ تفسیر ماجدی، عبدالماجد دریابادی، صدق جدید بک ایجنسی کچہری روڈ لکھنو (ب ت) ص ۷

۷۔ ایضاً ص ۲۹۴

۸۔ تدبر قرآن، امین احسن اصلاحی، باراوّل، تاج کمپنی دہلی ۱۹۸۹ء، ۴۱/۱

۹۔ تفسیر ماجدی، ۱۰۰۱/۱

۱۰۔ مقدمہ تفسیر ماجدی، ص ۶

۱۱۔ مقدمہ تفسیر نظام القرآن، علامہ حمیدالدین فراہی، دائرۂ حمیدیہ اعظم گڑھ ۱۹۹۰ء ص ۳۸

۱۲۔ تدبر قرآن (مقدمہ، د)

۱۳۔ وضاحت کے لیے دیکھئے: تدبر قرآن کا مقدمہ (۱-۱-غ)

۱۴۔ وضاحت کے لیے دیکھئے: تفسیر ماجدی، تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور، کراچی، ڈھاکہ، (بدون تاریخ) ۱۲۰۰/۷-۱۲۰۱

۱۵۔ وضاحت کے لیے دیکھئے: تدبر قرآن، امین احسن اصلاحی، باراول تاج کمپنی دہلی ۱۹۸۹ء ۴۲۵/۹

۱۶۔ بیان القرآن، مولانا اشرف علی، کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند، یوپی، انڈیا، ۱۰۷/۱۲

۱۷۔ تفسیر ماجدی، ۱۰۱/۱

۱۸۔ تفسیر ماجدی،۱/۷-۸
۱۹۔ تدبر قرآن،۱/۱۳-۱۴
۲۰۔ محاضرات قرآنی،ڈاکٹر محمود احمد غازی،اریب پبلی کیشنز،نئی دہلی،۲۰۱۰ء،ص ۱۳۷-۱۳۵
۲۱۔ سورہ فاتحہ ایک تحقیقی مقالہ،الطاف احمد اعظمی،ادارہ تحقیقات واشاعت علوم قرآن،جونپور،بار اول دسمبر ۱۹۸۷ء،ص۴۰-۴۳
۲۲۔ تفسیر ماجدی،۱/۲۱
۲۳۔ ایضاً،۱/۴۲۶
۲۴۔ تفسیر ماجدی،عبدالماجد دریابادی،نامی پریس لکھنؤ (ب ت) ۶/۲
۲۵۔ وضاحت کے لیے دیکھئے: تدبر قرآن میں کلام عرب سے استشہاد،ابوسفیان اصلاحی،تحقیقات اسلامی،علی گڑھ،جنوری-مارچ ۲۰۰۲،۲۱/۱،ص ۶۸/۴۷،نیز دیکھئے: قرآنیات کے چند اہم مباحث،ڈاکٹر ابو سفیان اصلاحی،ارورا پرنٹرز دہلی،مارچ ۲۰۰۲ ص ۱۳۰-۱۰۳
۲۶۔ تدبر قرآن،۱/۱۵
۲۷۔ تفسیر نظام القرآن،علامہ حمید الدین فراہی،دائرۂ حمیدیہ،مدرسۃ الاصلاح،سرائے میر اعظم گڑھ ۱۹۹۰ء،ص ۳۴۵
۲۸۔ دیوان حاتم طائی (تحقیق وشرح،کرم البستانی) مکتبہ صادر،بیروت (ب ت) ص ۹۲
۲۹۔ تفسیر ماجدی،۱/۲۵۰
۳۰۔ تدبر قرآن،۱/۳۰
۳۱۔ وضاحت کے لیے دیکھئے: مولانا امین احسن اصلاحی نمبر (ششماہی علوم القرآن،علی گڑھ،،جنوری ۱۹۹۸ دسمبر ۲۰۰۰ء،۱۳-۱۵/۲۷۰-۲۵۶)
۳۲۔ تفسیر ماجدی،۱/۱۰۰
۳۳۔ توریت،باب ۳۲،آیات ۲۵-۳۰
۳۴۔ تفسیر ماجدی،۱/۳۶-۳۷
۳۵۔ یہ وضاحت آچکی ہے کہ ڈاکٹر اورنگ زیب نے تدبر قرآن کے ان تمام مفردات کو کتابی صورت میں یکجا کر دیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مفردات کی تحقیق کے باب میں اس تفسیر کا جو کام ہے اردو تفاسیر اس سے خالی ہیں۔ یہ تحقیقی ولغوی مزاج انھیں اپنے استاذ محترم مولانا فراہی سے ملی ہے۔ یہ علمی مزاج مولانا فراہی کی مفردات القرآن کی سطر سطر سے مترشح ہے۔ یہ وضاحت بھی مناسب ہوگی کہ ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی کی تحقیق وشرح سے اس کتاب کی اہمیت مزید بڑھ گئی ہے۔ یہ کتاب شائع ہوکر دنیائے عرب میں قبولیت عام حاصل کر چکی ہے۔ تدبر قرآن،۱/۱۲۰
۳۶۔ تفسیر ماجدی،۱/۲۱